دیکھا جو تیر کھا کے کمیں گاہ کی طرف
کچھ اپنے دوستوں ہی کے چہرے نظر پڑے

اس ناولٹ کے جملہ کرداروں اور اداروں کے نام اور واقعات محض فرضی ہیں کسی چیز سے بھی مطابقت امر اتفاقی ہے۔ جس کے لئے مصنف۔ ناشر یا پریس کی کوئی ذمہ داری نہیں!

مکتبہ دین و ادب ۱۰-لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ۱

یہ ناولٹ "کمیں گاہ" مصنف کی خاص اجازت
سے شائع کی گئی ہے!

ناشرین

ایک ناولٹ

کمین گاہ

ایک!

پھول والی گلی کی نکڑ پر پہنچ کر، راہو مہاراج نے معمول کے مطابق، پان کے دو بیڑے لیکر کلّے میں دبائے، ہار والے سے چنبیلی کا گجرا لے کر گلے میں ڈالا اور تنبولی کی دکان کے قدِ آدم آئینہ کے سامنے اپنی سج دھج دیکھنے لگا۔ چوڑا چکلا ہاڑا، مضبوط پٹھے، آنکھوں میں جوانی کا خمار، راہو مہاراج بڑا قد آور اور رنگیلا جوان تھا۔

ذرا دیر وہ آئینہ کے روبرو کھڑا سر کے بالوں کو ہاتھوں سے جماتا رہا پھر سینہ چوڑا کر کے، گردن اکڑا کر، جھومتا ہوا، دوکان کے بازو میں پڑے ہوئے اسٹول پر جا کر بیٹھ گیا اور بالانہ انہ کی جانب

تاک جھانک شروع کر دی۔ اللہ رکھی کے کوٹھے پر اس وقت خلافِ توقع سناٹا تھا۔ نہ پائل کا جھناکا، نہ طبلہ کی تھاپ اور نہ تال، سر کا اتار چڑھاؤ۔ اس نے سرگوشی کے انداز میں تنبولی سے پوچھا "ابے لوٹن معلوم ہوتا ہے آج وہ کھولی والا سیٹھ اللہ رکھی کے یہاں نہیں آیا؟"

لوٹن نے اس کی بات پر توجہ نہ دی، چپ چاپ بیٹھا پان کترتا رہا۔ مہاراج کچھ زیادہ بےچین معلوم ہو رہا تھا۔ اصرار کر کے پوچھنے لگا "یار منہ سے تو بول، یہ اللہ رکھی کے یہاں سناٹا کیوں پڑا ہے؟"

لوٹن نے اس کی جانب دیکھے بغیر بلی کی طرح غرا کر کہا "مجھے کیا پتہ، میں یہاں بیٹھا کیا اس سالی کے دھگڑوں کی فہرست بنایا کرتا ہوں؟"

راہو مہاراج کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا "تو تو جان پڑتا ہے کہ گھر والی سے جھگڑا کر آیا ہے۔ اچھا یہ تو بتا کہ اللہ رکھی نے وہ جو نمکین سالونڈا ملازم رکھا ہے وہ پان لینے تو نہیں آیا۔ کھولی سے جب بھی ترلوگی چند آتا ہے تیری تو چاندی ہو جاتی ہے۔" پھر اس نے رازدارانہ طور پر کہا "سنا ہے وہ تو کوکین کے پان کھاتا ہے۔"

لوٹن تیز لہجہ میں بولا "دیکھو جی مہاراج، تم یہاں دوکان پر بیٹھ کر ایسی باتیں مت کیا کرو، تمہارا کیا ہے، تم ٹھہرے پولیس کے مخبر، جھوٹ موٹ ہی مخبری کر دی تو اپنا تو ٹین پاٹ ہو جائے گا۔"

راہو کو اس بات پر واقعی تاؤ آ گیا۔ بگڑ کر بولا "ابے ہوش میں ہے۔ ابھی ساری اکڑی اتار کر رکھ دوں گا۔ سالا سیدھی بات ہی نہیں کرتا۔"

لوٹن، راہو مہاراج کی آئے دن کی دھونس سے عاجز آگیا تھا۔ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا: "یہ ہیکڑی کہیں اور جاکر دکھانا۔ کیا گرمی اتارنے گئے ہو گیا؟"

راہو نے بچھو۔ سنتے ہی گالی دی اور ایک کر اس کے گریبان کو اس زور سے جھٹکا دیا کہ لوٹن دوکان سے نیچے آگیا۔ راہو نے اس کو سنبھلنے کا موقع ہی نہیں دیا اور لگا بے تحاشا مارنے۔ چوک میں اچانک سنسنی پھیل گئی۔ دوکاندار گردنیں اونچی کر کے اس طرف دیکھنے لگے، راہ گیر ٹھٹک کر ٹھہر گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے پھول والی گلی کے نکڑ پر خاصا ہجوم اکٹھا ہو گیا۔

یہ گرمیوں کی شام تھی۔ چوک میں ٹریفک بند ہو چکا تھا۔ سڑک پر ابھی ابھی چھڑکاؤ ہوا تھا، تماش بینوں کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی، بازار کی چہل پہل بہار پر تھی، بالاخانوں سے طبلہ کی تھاپ اور گھنگھروؤں کی چھنا چھن کی آوازیں آرہی تھیں۔ رام بلی بہرام گھاٹ سے ٹرک لے کر آرہا تھا۔ راستہ میں انھوں نے کچھ مسافر بٹھا لئے تھے۔ ڈرائیور نے ان میں سے کچھ روپئے اس کو بھی دیئے تھے۔ یوں تو وہ ٹرک پر کلینر کا کام کرتا تھا لیکن ڈرائیور پر اس نے ہمیشہ اپنا رعب رکھا۔ گول دروازے کے پاس پہونچکر اس نے ٹرک رکوایا پھر نیچے اتر کر دونوں نے کالکا بھنڈار سے بھنگ کا ایک ایک گلاس چڑھایا! ڈرائیور تو وکٹوریہ پارک میں ہوا خوری کے لئے چلا گیا۔ لیکن رام بلی چوک کی سیر کرنے کی غرض سے بازار میں آگیا۔

پھول والی گلی کے نکڑ پر بھیڑ دیکھ کر وہ ہجوم میں گھس گیا۔ اس وقت راہو

مہاراج لوٹن کے ٹٹوے پر گھٹلذار کھیے بری طرح اس کو پیٹ رہا تھا منحنی بدن کالوٹن، بلّی کے پنجوں میں دبے ہوئے کبوتر کی طرح پھڑپھڑا رہا تھا۔ ہجوم میں ہر شخص دم بخود کھڑا تھا۔ کس کی شامت آئی تھی جو راہو مہاراج کو ٹوکنے کی ہمت کرتا چوک کے علاقہ میں راہو مہاراج کی دھاک بیٹھی تھی۔ دوکاندار ہاتھ جوڑ کر اس کی مزاج پرسی کرتے تھے۔ طوائفیں جھک کر تسلیم کرتیں۔ بقول شخصے چوک کے اندر تو اس کے پیشاب سے چراغ جلتا تھا۔

رام بلی ذرا دیر تک تو حیرت سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے ٹوک کر کہا "بابو! جانے دو، آخر ہوا کیا؟" اس کو لوٹن کی حالت پر ترس معلوم ہوا۔ راہو کے خلاف اس نے خود میں ایک نفرت کا جذبہ ابھرتا ہوا محسوس کیا۔

راہو مہاراج نے رام بلی کی بات کو نظر انداز کر کے لوٹن کے منہ پر اسی وقت ایک گھونسہ لگایا۔ اس دفعہ رام بلی چیخ کر بولا "چھوڑ دو جی، کیا مار ڈالو گے؟"

راہو نے گھوم کر اس کی طرف دیکھا اور وہیں سے گرج کر کہا "کون ہے بے تو؟"

"بس بہت مار لیا" رام بلی نرم پڑ گیا۔

راہو مہاراج نے اس دفعہ پھر اس کو ڈانٹا "چپکا کھڑا رہ، یا تو بھی کچھ لے گا۔"

رام بلی بے وجہ مسکرا دیا "بڑا مان ہے تم کو اس بے چارہ کو کمزور سمجھ کر

دبوچ لیا تو تم سمجھتے ہو سب ہی ایسے ہیں۔"

راہو مہاراج نے چہرے سے جسم کے اس لمبے آدمی کو دیکھا جس کے جھلسے ہوئے سیاہ چہرے پر غضب کی کرختگی تھی۔ موبل آئل کے دھبوں سے داغ دار بے ڈھنگا لباس اور آواز میں جھنکار سی معلوم ہوتی تھی۔ وہ لوٹن کو چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور اس سے کہنے لگا۔

" جا بے جا اپنا راستہ لے، کیوں تیری شامت آئی ہے۔"

رام بلی کو اس کا اس طرح درگزر کر دینے کا انداز بڑا برا معلوم ہوا کہنے لگا۔" ایسے ویسوں پر ہاتھ اٹھا کر بہت پر کٹے ہو۔ کسی رام بلی سے سابقہ نہیں پڑا۔"

راہو مہاراج نے ایک گندی سی گالی دی اور جھپٹ کے رام بلی کے منہ پر جو ایک ہاتھ رسید کیا تو وہ چکرا کر رہ گیا۔ سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ دوسرا ہاتھ پڑا اور وہ لڑکھڑا کر سڑک پر گر پڑا۔

ہجوم میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگ بدحواس ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے۔ رام بلی نے زمین پر لیٹے لیٹے بھاگتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ راہو مہاراج کو دیکھا جو حقارت سے اس کی جانب تقریباً مسکرا رہا تھا۔ رام بلی اٹھ کر بجلی کی طرح راہو مہاراج پر جھپٹا لیکن قریب پہنچتے ہی راہو نے وہ دولتی ماری کہ رام بلی منہ کے بل دور جا گرا۔ اس دفعہ اس نے رحم کھانے کے سے انداز سے کہا۔" ابے جا اپنا راستہ لے، سالا خواہ مخواہ سر ہو گیا۔"

مگر رام بلی باز نہ آیا۔ وہ کھڑا ہو کر راہو کو قہر آلود نظروں سے گھورتا

رہا اور پھر اس کی جانب لپکا۔ اب کی دونوں گتھم گتھا ہو گئے۔ راہو مہاراج رام بلی کو جس قدر کمزور سمجھ رہا تھا ایک ہی بار کی زور آزمائی میں اس کو اندازہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پیروں میں بڑا کس بل ہے، اسی عالم میں دونوں زمین پر آ گئے۔

راہو مہاراج پھر بھی چرب پڑ رہا تھا۔ لیکن ایک موقع پر رام بلی کے مضبوط ہاتھ میں راہو کی گردن آ گئی۔ پھر جو اس نے سڑک کے پختہ فرش پر راہو مہاراج کو رگڑنا شروع کیا تو دو ہی گھسوں کے بعد راہو مہاراج کی آنکھوں کے سامنے تارے سے ناچنے لگے۔

پہلے تو وہ رام بلی کو دھمکیاں دیتا رہا "ابے گردن تو چھوڑ۔ سالے ٹکڑے کر کے پھینک دوں گا۔ ابے دیکھ اب بھی باز آ جا۔ جیتا نہیں چھوڑوں گا" لیکن رام بلی ذرا مرعوب نہ ہوا۔ آخر راہو مہاراج نے اس کو جلی کٹی گالیاں دینا شروع کر دیں۔ مگر وہ جتنی موٹی گالی دیتا، رام بلی اتنی ہی زور سے اس کی گردن دبا کر رگڑ دیتا۔

لوگوں کا ہجوم پھر وہاں اکٹھا ہو گیا تھا۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ ان کو چھڑا دے۔ راہو مہاراج کا تمام چہرہ لہو لہان ہو گیا تھا۔ ہر بار جب بھی اس نے رام بلی کی گرفت سے نکلنے کی کوشش کی، اس کو یہی تجربہ ہوا کہ رام بلی کے ہاتھ فولاد کے بنے ہوئے ہیں۔ جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو وہ تکلیف سے بدحواس ہو کر زور زور سے چیخا "ہائے مرا"۔ رام بلی نے اس کی گردن چھوڑ دی، مگر وہاں سے ہٹا نہیں، راہو مہاراج بے سدھ پڑا رہا۔

آخر ہجوم میں سے کچھ لوگوں نے نکال کر اس کو اٹھایا، اس کی حالت بڑی غیر ہو رہی تھی پھر دو آدمیوں کے کندھوں کا سہارا لے کر وہ یہاں سے کراہتا ہوا چلا گیا۔ رام بلی نے اطمینان سے کھڑے ہو کر اپنے کپڑے جھاڑے اور تمبولی سے کہنے لگا "لا بھائی ایک پان تو کھلا، گلا خشک ہو رہا ہے۔"

بھیڑ اب چھٹنے لگی تھی۔ لوگوں کو اس کی بے نیازی پر بڑی حیرت ہوئی دوکانداروں میں سرگوشیاں ہونے لگیں۔

"آج سیر کا بھائی سوا سیر ملا۔"

"مہاراج کا سارا گھمنڈ تکلے کے بل کی طرح نکال کر رکھ دیا۔"

"بھئی دیکھنے میں تو ڈیڑھ پسلی کا آدمی لگتا ہے۔ مگر ہاتھوں میں معلوم ہوتا ہے کہ سیسہ پلا ہوا ہے۔"

"میاں یہ قوت بھی خدا داد چیز ہوتی ہے۔"

آس پاس دوکانوں، راہگیروں میں اسی طرح چرچے ہوتے رہے۔ رام بلی مزے سے کھڑا پان چباتا رہا۔ طوائفیں چھجوں پر کھڑی انگلیاں اٹھا اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ چوک میں یہ واقعہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے بڑا حیرت انگیز تھا۔ کسی کے سان گمان میں بھی نہ تھا کہ راہو مہاراج ایسے چھٹے ہوئے بدمعاش کو کوئی اس طرح سر بازار نیچا دکھا دے گا۔

لیکن پورے بازار میں جو شخص اب بھی متفکر نظر آ رہا تھا، وہ لوٹن تھا اس کو اس بات کی تشویش تھی کہ کہیں راہو مہاراج اپنے گروہ کے بدمعاشوں

کو پکڑ کر نہ لے جائے۔ آج اس کی دوکان کا کچھ خاتمہ ہو جاتا تھا اور رام جی کو کہیں جوش میں راہو مہاراج قتل ہی نہ کر دے۔ اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ اس پر قتل کے کئی مقدمات چلے، جیل بھی کاٹی، پھانسی کے تختے تک پہنچنے کی نوبت آ گئی، مگر اس کی حرکتوں میں کوئی فرق نہ آیا۔ کچھ ہی سوچ کر اس نے رام جی سے کہا "اچھا اب تم جاؤ، کہیں وہ سالا اپنے آدمیوں کے ساتھ نہ آ جائے۔"

رام جی کڑک کر بولا "آنے دو جی، ان کو بھی دیکھ لیں گے۔"

لوٹن نے پھر کچھ نہ کہا اور سامان جلدی جلدی ہٹا کر دوکان بند کرنے کا بندوبست کرنے لگا۔ آخر رام جی بھی وہاں سے چل دیا۔ سڑک کے پاس پہنچ کر اس نے دیکھا ڈرائیور دیر سے اس کا انتظار کر رہا تھا، اس کے آتے ہی اس نے انجن اسٹارٹ کیا اور دونوں چل دیئے۔

راہو مہاراج کو اپنی چوٹ کا اتنا احساس نہ تھا، جتنی اس کو اس بات کی تکلیف تھی کہ بھرے بازار میں اس کی ہیٹی ہو گئی۔ سارا بھرم جاتا رہا تھا۔ جتنا بند آدمی تھا۔ سیدھے اپنے گرگوں کے پاس پہنچا اور جب وہ ان کی جمعیت میں چوک کے اندر پہنچا تو لوٹن کی دوکان بند تھی اور رام جی کا کہیں نام و نشان تک نہ تھا۔ جھینپ مٹانے کے لئے وہ دیر تک بیچ سڑک پر کھڑے ہو کر رام جی کو گالیاں دیتا رہا۔

اب وہ اس تاک میں تھا کہ کسی طرح رام جی ہاتھ آ جائے تو چوک میں اس کی جو ہوا بگڑ گئی تھی وہ دھاک پھر بٹھا دے۔ شامت اعمال

تین ہی چار دن بعد رام بلی پھر ٹہلتا ہوا اس طرف آ گیا۔ راہو مہاراج نے اس کو دیکھتے ہی دور سے گالی دی اور بھور یئے کو للکار کر بولا "ابے دیکھ کیا رہا مار سالے کو؟"

بھوریا اس وقت تک رام بلی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے چند قدم پیچھے ہٹ کر رام بلی پر لاٹھی کا بھرپور وار کیا۔ رام بلی نے بڑھ کر اس کو کلائی پر روکا۔ دوسرا ہاتھ خالی دیا۔

بھور یئے نے گو کہ حملہ بالکل اچانک کیا تھا مگر دوسرے وار تک رام بلی سنبھل چکا تھا، اس کے لئے یہ پہلا موقع نہ تھا۔ جن دنوں وہ پن چکی پر کام کرتا تھا۔ آئے دن کسی نہ کسی بات پر لاٹھی چل جاتی۔ دو چار زخمی ہو کر ہسپتال چلے جاتے اور کچھ ایک آدھ روز کیلئے حوالات کی سیر کر آتے۔

رام بلی نہتا ہونے پر بھی بھور یئے کے چھکے چھڑا دیتا، مگر اب راہو مہاراج اپنے گرگوں کے ساتھ آ گیا تھا۔ وہ سب مل کر سات آدمی تھے اور رام بلی اکیلا چاروں طرف سے اس پر لاٹھیاں برس رہی تھیں۔ ایک آدھ ہاتھ اس نے خالی دیا کچھ کلائی اور بازو پر روکے۔ اس کی کوشش یہی تھی کہ سر پر ضرب نہ آئے۔ اگر سر پھٹ گیا تو خون بھی زیادہ نکل جائے گا اور لڑنے کی سکت بھی نہ رہے گی۔ ذرا دیر تک وہ کھڑا لاٹھیوں کے وار روکتا رہا پھر وہ سڑک پر گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا اور سر کو ٹانگوں کے اندر چھپا لیا۔

کئی منٹ تک رام بلی کے جسم پر لاٹھیاں پڑتی رہیں۔ مارنے والوں کے اب ہاتھ شل پڑنے لگے تھے۔ اتنے میں ہیرا پاسی نے ہاتھ اونچا کر کے کہا:

"بس۔"

راہو مہاراج نے ڈانٹ کر کہا۔" ابے کیا نامردوں کی سی بات کرتا ہے۔"
ہیرا پاسی جہاندیدہ آدمی تھا۔ ایسے سیکڑوں معرکے دیکھ چکا تھا۔ راہو کو سمجھانے لگا۔

"بس مہاراج اب، جانے دو۔ بچ گیا تو سالا سال بھر کھٹیا پر پڑ کر کھائے گا۔"

راہو اس دفعہ رضامند ہو گیا۔ کہنے لگا: "جیسی تیری مرضی، میں نے سوچا تھا کہ یہاں سے اب ارتھی ہی اٹھ کر جائے۔" اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا: "ٹھہر جاؤ سب لونڈو۔"

سب نے ہاتھ روک لئے۔ پھر راہو مہاراج نے اپنی لاٹھی بلند کر کے اونچی آواز سے کہا۔

"کوئی اور اس کا حمائتی ہو تو آ جائے، اس کی تو ماں ...."

اور اس نے چیخ چیخ کر گالیاں بکنی شروع کر دیں۔ مگر وہاں رام بلی کا کون حمائتی بیٹھا تھا۔ راہگیروں میں بھگدڑ مچ گئی تھی۔ دوکاندار جلدی جلدی دوکانوں میں تالے ڈال رہے تھے۔ رنڈیوں نے زینوں کے دروازے بند کر کے کنڈیاں لگا دیں اور سہمی ہوئی چھجوں پر کھڑی تماشا دیکھ رہی تھیں۔ چوک بھر میں سنسنی پھیل گئی تھی۔

رام بلی ابھی تک سڑک پر بے سدھ پڑا تھا۔ اس نے نہ تو حلق سے کوئی آواز نکالی اور نہ جسم کو حرکت دی۔ بھورے نے گھبرا کر کہا: "کہیں سالا مر

تو نہیں گیا!"

اتنا کہہ کر اس نے رام بلی کی کمر میں لاٹھی کا ہولا دیا۔ اسی وقت رام بلی نے تیزی کے ساتھ دونوں ہاتھوں سے اس کی لاٹھی تھام کر اتنی پھرتی کے ساتھ جھٹکا دیا کہ لاٹھی اس کے ہاتھ میں آگئی۔ لاٹھی کا ہاتھ میں آنا تھا کہ وہ بندر کی طرح اچھل کر دور ہٹ گیا۔ راہو اور اس کے ساتھی سنبھلنے بھی نہ پائے تھے کہ رام بلی نے پہلا ہی وار جھور سینے پر کیا۔ ہاتھ کچھ ایسا جم کر بیٹھا کہ جھبوریا منہ کے بل زمین پر آگیا۔ پھر جو اس نے پینترے بدل بدل کر ہاتھ دکھائے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بجلی کوند رہی ہے، جس کے ہاتھ پڑا وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔

راہو مہاراج کے آدمی ایک تو تھک چکے تھے اور پھر رام بلی اس غضب کا پھرتیلا تھا کہ اس نے کسی کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے راہو مہاراج کے ساتھیوں کے پیر اکھڑ گئے۔ البتہ ہیرا پاسی ابھی تک جما ہوا تھا، اور اسی کی کمک پر راہو مہاراج بھی بڑھ بڑھ کر ہاتھ چلا رہا تھا۔ پھر ایک لاٹھی ہیرا کی کنپٹی پر کچھ اس طرح بیٹھی کہ وہ تیورا کر گر پڑا۔ راہو نے جو اس کو گرتے ہوئے دیکھا تو بھاگنے کے لئے گلی کی طرف لپکا، مگر پیر ایسا پھسلا کہ وہ گھبرا کر ایک دوکان کے چبوترے کے نیچے گھس گیا۔ رام بلی نے گالی دے کر کہا:

"ابے اب جا کہاں رہا ہے!"

اس نے راہو مہاراج کی ٹانگ پکڑ کر اس کو کھینچ کر باہر نکالا۔ موری کی کیچڑ میں اس کے سارے کپڑے لت پت ہو گئے تھے۔ رام بلی ٹانگ پکڑے ہوئے بیچ سڑک پر اس کو دور تک مرے ہوئے کتے کی طرح

کھینچتا ہوا لے گیا۔ طوائفیں کوٹھوں پر کھڑی سہمی ہوئی نظروں سے راہو مہاراج کی یہ درگت دیکھ رہی تھیں۔ کچھ دور تک راہو مہاراج کھینچتا چلا گیا۔ پھر اس نے چیخ کر کہا "ا بے ٹانگ تو چھوڑ!"

رام بلی نے اس کی کمر پر کس کر ایک لات ماری "سالے ابھی تک تمہاری ہیکڑی نہیں گئی"

راہو مہاراج ذرا دیر تک چپ رہا، پھر اس نے بڑی بے بسی سے کہا "اچھا بابا تو میری ٹانگ تو چھوڑ دے، پھر جو چاہے کر لینا"

رام بلی کو ہنسی آگئی۔ اس نے دو لاتیں اور لگائیں اور حقارت سے بولا "دھت تیری کی، سالا۔ بڑا مہاراج بنا گھومتا تھا"

راہو مہاراج ذرا دیر تک تو پڑا رہا۔ پھر گردن جھکا کر سڑک پر بیٹھ گیا اور اچانک اٹھ کر دھپ دھپ کرتا ہوا اس طرح بھاگا کہ رنڈی کے بھڑووں تک کو ہنسی آگئی۔

رام بلی لاٹھی کو مضبوطی سے انگلیوں میں دبائے سینہ تانے کھڑا تھا۔ اسی وقت کسی نے گھبرائی ہوئی آواز سے کہا "پولیس آگئی" راہگیر، جو دور کھڑے سب کچھ دیکھ رہے تھے، سراسیمہ ہو کر اس طرح بھاگے کہ بعض تو گھبراہٹ میں زخمی بھی ہو گئے۔ رام بلی کی نظر اتفاق سے اوپر اٹھ گئی۔ اس نے دیکھا اللہ رکھی چھجے پر کھڑی ہاتھ کے اشارے سے اس کو اپنے زینے کی طرف آنے کے لئے کہہ رہی تھی۔ وہ احمقوں کی طرح اس کا منہ تکنے لگا۔

وہ جل کر بولی "ارے کمبخت اندر آجا۔ پولیس آگئی ہے"

اتنا سنتے ہی وہ لپک کر اللہ رکھی کے زینے پر چڑھ گیا۔

گھاؤ ابھی تازہ تھے، اس لئے اللہ رکھی کے کمرے میں جاکر بھی رام بلی اسی طرح سینہ تانے بیٹھا تھا۔ مگر کچھ دیر بعد جب چوٹ سرد پڑنے لگی تو زخموں کی ٹیس نے اسے بے چین کر دیا۔ اس کے جسم سے خون کم نکلا تھا لیکن اندرونی چوٹ زیادہ آئی تھی۔ بعض جگہ خون کھال کے اندر ہی گوشت میں جم کر رہ گیا تھا۔

اللہ رکھی نے دودھ گرم کر کے اس میں پھٹکری ملا کر اس کو پلا یا۔ اور چوٹ پر لگانے کیلئے جلدی جلدی لیپ تیار کرانا شروع کر دیا۔ رام بلی سے اس کو یہ ہمدردی اس لئے تھی کہ اول تو وہ اس کے جیالے پن سے مرعوب ہو گئی تھی۔ اس کے علاوہ صرف اللہ رکھی ہی پر موقوف نہیں، راہو نے اپنی غنڈہ گردی سے چوک کی تمام طوائفوں کا ناک میں دم کر دیا تھا۔ پھر اللہ رکھی کے ساتھ تو یہ مصیبت تھی کہ راہو اس کی محبت کا بھی دم بھرتا تھا اور خواہ مخواہ وقت بے وقت پریشان کیا کرتا۔

چوٹ خاصی آئی تھی، اس لئے رام بلی کئی روز تک اللہ رکھی کے گھر میں اپاہج کی طرح پڑا رہا۔ اللہ رکھی نے اس کی تیمارداری میں خاصی تندہی دکھائی۔ وہ خود اپنے ہاتھوں سے اس کے زخموں پر پٹیاں باندھتی، ان پر دوا لگاتی۔ رام بلی کو بڑا سکھ ملتا۔

اللہ رکھی ایسی زیادہ خوبصورت تو نہ تھی۔ کھلتا ہوا رنگ، چہرے کے سیدھے سادے خدوخال، مگر اس کی مسکراہٹ میں ایک خاص ادا تھی۔ کلی کھلنے کی تشبیہہ تو محض شاعری ہو گی۔ بس یوں سمجھئے کہ جس کو پیا چاہے وہی سہاگن والی بات تھی۔ جب وہ مسکراتی تھی تو بے ساختہ اس پر پیار آجاتا تھا۔ رام بلی کو بھی اس کی

مسکراہٹ اچھی لگی۔ اسی لیے جب وہ اس کے زخموں پر ہاتھ لگاتی تو وہ بن بن کر ہائے ہائے کرنے لگتا۔ اللہ رکھی مسکرا کر کہتی "واہ ٹھاکر، لاٹھیاں پڑتی رہیں تو اف تک نہ کیا، اب ہائے ہائے کر رہے ہو"۔

رام بلی کو اس مسکراہٹ کے ایک خاص ٹھسے سے ٹھاکر کہنا بھی بڑا اچھا لگتا۔

کئی روز بعد جب وہ اللہ رکھی کے گھر سے نکل کر بازار میں ٹہلتا ہوا آ گیا تو اس کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ دوکاندار خواہ مخواہ اس کو جھک جھک کر سلام کر رہے تھے۔ بالاخانوں پر کھڑی طوائفیں اس کی طرف ہاتھ اٹھا اٹھا کر اشارے کر رہی تھیں غرور سے رام بلی نے سینہ تان دیا اور گردن اکڑا کر چلنے لگا۔

مگر وہ اس طرح کب تک اللہ رکھی کے یہاں پڑا رہتا۔ لہٰذا ایک روز وہ ہرام گڑھ اپنے کام پر چلا گیا۔ البتہ جب بھی موقع ملتا تو وہ چوک کی طرف چلا آتا۔ وہ اللہ رکھی کے یہاں ضرور جاتا۔ وہ ہمیشہ کی طرح مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتی۔

یہ انہی دنوں کا ذکر ہے کہ ایک روز وہ اللہ رکھی کے یہاں بیٹھا تھا جھٹ پٹے کا وقت تھا اتنے میں ایک بوڑھی نائکہ سیڑھیوں پر دھم دھم کرتی ہوئی تیزی سے کمرے کے اندر آ کر چلانے لگی "ہائے اللہ، میں لٹ گئی، ارے کوئی میری بچی کو بچاؤ"۔

رام بلی نے گھبرا کر کہا "کیا ہوا؟"

وہ گڑگڑیا کر بولی "اللہ ان کو غارت کرے، میری بچی کو زبردستی اٹھائے

سے لئے جا رہے ہیں۔"

رام بلی فوراً اٹھ کھڑا ہوا۔ "چلو تو دیکھوں کون ہے۔" اس نے لاٹھی اٹھا لی اور اس کے ساتھ ہو لیا۔

دو ہی چار مکانوں کے بعد بوڑھی نائیکہ کا کوٹھا تھا۔ رام بلی نے دور سے دیکھا کہ تین چار آدمی ایک لڑکی کو ہاتھوں پر اٹھائے دروازے میں سے نکل رہے تھے۔ وہ ان کی گرفت میں بری طرح مچل رہی تھی، بوڑھی نائیکہ سر پیٹ کر بولی "ہائے اللہ! وہ اس کو لئے جا رہے ہیں۔ ارے جلدی کرو۔"

رام بلی تیز قدموں سے اس طرف چلا۔ مگر اس کے وہاں پہنچنے سے پیشتر ہی وہ اس کو سڑک کے کنارے کھڑے ہوئے تانگہ میں ڈال کر خود بھی بیٹھ چکے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے تانگہ چل دیا۔ رام بلی نے تانگے والے کو ڈانٹ کر کہا "روک تانگہ!" مگر کوچوان نے تانگہ روکنے کے بجائے گھوڑے کے ایک زوردار چابک لگائی اور گھوڑے کو سرپٹ دوڑانا شروع کر دیا۔ رام بلی لاٹھی سنبھال کر اس کے پیچھے بھاگا۔

سڑک تنگ تھی اور راہگیروں کی آمدورفت بھی زیادہ تھی۔ اس لئے تانگہ ایک مقام پر ذرا سست ہو گیا۔ اس عرصہ میں رام بلی قریب پہنچ چکا تھا۔ اس کو دیکھ کر تانگے والے نے گھوڑے پر سڑا سڑ چابکیں چلانا شروع کر دیں۔ تانگہ کی رفتار پھر تیز ہو گئی۔ رام بلی نے لاٹھی تانگہ کے پہیے میں اڑا دی۔ گھوڑا منہ کے بل سڑک پر گر گیا، اور تمام سواریاں آندھی کے آموں کی طرح ادھر ادھر سڑک پر گر پڑیں۔ اب رام بلی لاٹھی لے کر ان کے سر پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے للکار کر کہا۔

"خبردار جو کسی نے جنبش کی، ورنہ یہاں سے سب کی لاشیں جائیں گی"
کسی نے مزاحمت نہ کی۔ رام بلی نے آگے بڑھ کر لڑکی کو اٹھایا اور نائکہ کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر بولا "سنبھالو اس کو" اور پھر ان لوگوں کو جو اس کو اغوا کرنے کی کوشش کر رہے تھے گالیاں دینے لگا۔ بہرحال بات آگے نہ بڑھ سکی۔

اس واقعہ سے چوک میں رام بلی کی اور دھاک بیٹھ گئی۔ رنڈیاں اس کو اصرار کر کے بلوائیں اور ہر طرح سے اس کی خاطر کرتیں۔ کسی طوائف کے یہاں کوئی جشن ہوتا، شاہ مینا پر چادر چڑھائی جاتی یا کوئی اور تقریب ہوتی تو رام بلی کو خاص طور پر دعوت دی جاتی۔ راہو مہاراج کے ساتھ جھگڑے کے بعد چوک کے دوسرے بدمعاش بھی رام بلی سے بڑے مرعوب ہو گئے تھے۔ اگر کبھی کسی کا رام بلی سے آمنا سامنا ہو جاتا تو دور ہی سے ہاتھ جوڑ کر کہتا "ٹھاکر مزاج تو اچھا ہے" اور راہو مہاراج تو اس روز کے بعد سے کچھ ایسا غائب ہوا کہ پھر چوک کا کبھی رخ نہیں کیا۔ سننے میں آیا کہ اس نے لکھنؤ چھوڑ دیا اور اب کملا پور کے تاڑی خانہ میں پڑا رہتا ہے۔

رام بلی ابھی تک ٹرک پر کام کر رہا تھا۔ البتہ ہفتہ میں وہ چوک کا ایک آدھ چکر ضرور لگاتا تھا۔ ایک دفعہ اس کی غیر حاضری میں کسی بدمعاش نے ایک رنڈی کی ناک کاٹ لی۔ شراب کے نشے میں چوک کے اندر دیر تک ہنگامہ برپا کرتا رہا اور پولیس کے پہنچنے سے پہلے ہی فرار ہو گیا۔ لہٰذا اب کی جب وہ چوک آیا تو اللہ رکھی کے توسط سے تمام رنڈیوں نے یہ پیش کش کی کہ رام بلی چوک ہی میں رہائش اختیار کر لے، ہر کوٹھے سے اس کے اخراجات کیلئے کچھ نہ کچھ

ماہانہ رقم مقرر کر دی جائے گی۔ رام جی کو جب اس بات کا علم ہوا تو وہ ایک دم بگڑ گیا۔ کہنے لگا۔

"میں مونچھ رکھ کر اب ان سالی رنڈیوں کی کمائی کھاؤں گا۔ اللہ رکھی تم نے مجھ کو کوئی بھڑوا سمجھا ہے۔"

وہ اس کو سمجھانے لگی تو وہ اور بھی بھڑک اٹھا۔ اللہ رکھی نے کسی نہ کسی طرح اس کا غصہ ٹھنڈا کیا۔ مگر یہ بات رام جی کو نہ معلوم کیوں اتنی بری لگی کہ وہ عرصہ تک وہاں نہ گیا۔

دو

کئی ہفتہ اِدھر کا ذکر ہے۔

بڑا سہانا موسم تھا، ہلکی ہلکی پھوار پڑ رہی تھی۔ رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ کوئی دس بجے کا وقت ہوگا۔ رام بلی اس روز ٹرک کے ساتھ لکھنؤ آیا۔ شہر کے کا ایک ادھ اجڑا گروہ موٹروں کے اڈے پر ڈرائیوروں اور کلینروں کے ساتھ ہڑک بجا بجا کر دھوبیا راگ گا رہا تھا۔ سب ہی نشہ میں دھت تھے۔ کچھ گا رہے تھے، کچھ بے ڈھنگے پن سے ناچ رہے تھے۔ کچھ صرف شور مچا رہے تھے۔ بڑے ٹھاٹ سے جشن ہو رہا تھا۔

ایکایک رام بلی کو اللہ رکھی کا خیال آگیا۔ اس نے سوچا کیوں نہ اسی وقت چل کر اس سے کوئی ٹھمری سنی جائے۔ اس خیال کا ذہن میں آنا تھا کہ وہ بھیگتا بھاگتا نشہ کی دھن میں اللہ رکھی کے کوٹھے پر پہونچ گیا۔ اس کے یہاں حسب توقع محفل جمی ہوئی

تھی۔ اللہ رکھی پیروں میں گھونگھرو باندھے ہوئے تھی اور کوئی چلتا ہوا سا گیت، ٹھمک ٹھمک کر گا رہی تھی۔ ایک ایک بول پر اس طرح بھاؤ بتاتی کہ پوری تصویر آنکھوں کے سامنے کھنچ جاتی۔

رام بلی کمرے کے فرش پر ایک طرف دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ اس وقت کمرے میں تماش بینوں کا جمگھٹا بھی نہ تھا۔ صرف ترلوک چند گاؤ تکیہ کا سہارا لئے بیٹھا تھا۔ وہ آج ہی شام کو دہلی سے آیا تھا۔ اس لیے پرائیویٹ ہی محفل تھی۔

اللہ رکھی نے رام بلی کو دیکھا تو مسکرا دی، وہی بانکی ادا، وہی شگفتگی، رام بلی اپنے غلیظ دانت نکال کر پھوہڑ پن سے ہنسنے لگا۔ ترلوک چند کو رام بلی کی یہ حرکت بہت شاق گزری۔ دونوں کا یہ پہلا معاملہ نہیں تھا۔ وہ اس سے پہلے بھی رام بلی کو وہاں دیکھ چکا تھا۔ اور ہمیشہ اس نے رام بلی کو حقارت کی نظر سے دیکھا تھا۔ اس وقت اس کو رام بلی کی موجودگی کچھ زیادہ بری معلوم ہوئی۔ نشہ ہونے کے باعث رام بلی اس روز کچھ ضرورت سے زیادہ ہنس رہا تھا اور بے تکے پن سے داد دے رہا تھا آخر جل کر ترلوک چند نے اللہ رکھی سے کہا: "اچھا بھئی بس تو اب۔ ذرا آرام کروں گا۔"

اللہ رکھی نے رک کر پوچھا: "کیوں، خیریت تو ہے؟"

وہ کہنے لگا: "سر میں کچھ درد معلوم ہو رہا ہے۔"

اللہ رکھی نے سازندوں کو اٹھا دیا اور ترلوک چند کے پہلو میں بیٹھ کر بولی "لاؤ سر دبا دوں"

اور پھر وہ مسکرا مسکرا کر اس کا سر دبانے لگی۔ رام بلی خاموش بیٹھا رہا۔ اسی اثنا میں تین آدمی زینے پر چڑھتے ہوئے کمرے کے اندر آ گئے۔ شاید باہر کا

دروازہ کھلا رہ گیا تھا۔

کمرے میں داخل ہوتے ہی ان میں سے ایک نے کوٹ کی جیب سے شراب کی بوتل نکالی اور اطمینان سے غالیچہ پر آکر بیٹھ گئے۔ انھوں نے کچھ تلاش کرنے کے سے انداز میں چاروں طرف نظر دوڑائی اور پھر اللہ رکھی کو مخاطب کر کے ان میں سے ایک نے کہا "بائی جی! کسی لڑکے کو بلا کر تین گلاس اور آدھی درجن سوڈے کی بوتلیں تو منگواؤ"۔

اللہ رکھی کو ان کی یہ بے تکلفی ناگوار تو گزری مگر رنڈی پیشہ جو ٹھہرا وہ آنے والوں کو ناراض کیسے کر سکتی تھی۔ ذرا نرم لہجہ میں بولی "جی۔ لڑکا تو اب سو گیا ہے"۔

انھوں نے زیادہ اصرار نہ کیا۔

"کوئی بات نہیں"۔

اور ان میں سے ایک نے بوتل سے منھ لگا کر غٹاغٹ پینا شروع کر دی۔ پھر بوتل دوسرے کی طرف بڑھا کر اللہ رکھی سے بولا "اچھا تو پھر کوئی پھڑکتی سی چیز ہو جائے"۔

اللہ رکھی نے اس دفعہ بھی ٹالنے کی کوشش کی "دیکھئے آج تو میں بہت تھک گئی ہوں، پھر ہمارے سیٹھ صاحب کے سر میں اس وقت درد بھی ہو رہا ہے"۔

تیسرا آدمی ہنس کر بولا "تم بھی کمال کرتی ہو بائی جی، ذرا تان تو چھیڑو، بس یوں چٹکیوں میں سر کا درد کافور ہو جائے گا۔ ہم تو تمہارے گلے کی تعریف سن کر بڑی دور سے آئے ہیں۔

وہ زچ ہو کر بولی " اب تو سازندے بھی سو گئے "

ان میں سے ایک آدمی جو ذرا پستہ قد کا تھا تیزی سے بولا " ابھی سے سو گئے اب تو رات شباب پر آئی ہے " پھر اس نے ذرا اونچی آواز سے کہا " اماں کہاں گئے، استاد جی ذرا اپنی سارنگی ورنگی تو لاؤ "

استاد جی جو ابھی ذرا دیر پہلے اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں گئے تھے، خاموش پڑے رہے، مگر وہ آدمی باز نہ آیا۔ اس دفعہ تقریباً چیخ کر بولا " اماں اب آبھی جاؤ۔ ہمیں زیادہ تو ٹھہرنا نہیں، دو ایک چیزیں سن کر چلے جائیں گے "

استاد جی نے اب بھی جواب نہ دیا تو وہ آدمی اٹھ کر اس کمرے کی جانب جانے لگا۔ تراو کی جو اب تک خاموش بیٹھا تھا، بگڑ کر بولا " صاحب کوئی زبردستی ہے اس وقت نہیں ہے گانے کا موڈ تو آپ زبردستی کیوں کر رہے ہیں؟ "

وہ آدمی ہنس کر کہنے لگا " اجی یہ موڈ کیا ہوتا ہے " پھر اپنے ساتھ والوں سے مخاطب ہو کر بولا " یہ بھی ایک ہی رہی، آج معلوم ہوا کہ رنڈیوں کا بھی موڈ ہوتا ہے۔

اللہ رکھی نے سوچا کہیں بات بڑھ نہ جائے۔ مصالحت کرانے کے سے انداز میں بولی " سچ کہہ رہی ہوں آج میں بہت تھک گئی ہوں "

وہ آدمی بڑی بے تکلفی سے بولا " زیادہ نخرے نہ کرو، بس اب شروع ہو جاؤ " اس کے ساتھ ہی اس نے لپک کر اللہ رکھی کی کلائی پکڑ لی اور اس کو کھڑا کر دیا۔

اللہ رکھی کے پیروں میں گھونگھرو ابھی تک بندھے تھے۔ ایک بارگی چھم چھم کر کے بج اٹھے۔ وہ آدمی قہقہہ مار کر ہنس دیا " لو اب تو گھونگھرو بھی بج

پی بج اٹھے! اب تم کوئی پھڑکتی سی چیز چھیڑ دو، میں ابھی سازندوں کو لایا" اتنا کہہ کر وہ دوسرے کمرے کی طرف لپکا۔

ترلوک چند نے اس کو ٹوک کر کہا "آپ ادھر کہاں جا رہے ہیں۔ ایک بار کہہ دیا کہ گانا نہیں ہوگا۔ پھر آپ اس طرح پریشان کیوں کر رہے ہیں" وہ آدمی تو چپ ہو گیا مگر اس کے ساتھیوں میں سے ایک بولا "کیسے نہیں ہوگا۔ گانا تو اس وقت ضرور ہوگا۔

اس نے کوٹ کی جیب کے اندر سے لمبا سا چاقو نکالا اور اس کو کھول کر سامنے کر دیا۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دوں گا سالی کے، گائے گی کیسے نہیں؟"

اللہ رکھی بڑے ناز سے بولی "واہ کوئی زبردستی ہے"

ترلوک چند، جو محض سیٹھ نہیں تھا، ان سے مرعوب ہوئے بغیر بولا "چاقو دکھا کر عورت کو دھمکی دیتے شرم نہیں آتی، یہی تمہاری مردانگی ہے"

وہ کہنے لگا "ابے پھر تو ہی آجا، بڑا حمائتی بن کر آیا ہے" اور وہ ترلوک چند کی طرف لپکا۔

رام بلی خاموش بیٹھا سارا تماشا دیکھتا رہا۔ خود اس کی بھی خواہش تھی کہ ذرا دیر کے لئے کچھ ناچ گانا ہو جائے تو اچھا ہے۔ یہ سالا سیٹھ کا بچہ خواہ مخواہ بدمزگی پیدا کر رہا ہے۔

اللہ رکھی اس کی طرف دیکھ کر بولی "ٹھاکر تم خاموش بیٹھے ہو اور یہ مشٹنڈے ادھم مچا رہے ہیں"

رام بلی جیسے ایکبارگی چونک پڑا۔ تڑپ کر بجلی کی طرح اٹھا اور اس آدمی

کو اپنے بازوؤں میں دبوچ کر چاقو چھین لیا۔ اس کے ساتھی یہ دیکھ کر رام بلی پر ٹوٹ پڑے مگر وہ ان تینوں پر بھاری پڑا۔ ایک کے سینے پر اس نے اس زور سے لات ماری کہ وہ لڑھکتا ہوا زینے تک چلا گیا۔ اب طبلچی اور استاد جی بھی وہاں آگئے تھے ترلوکی چند بھی دور ہی دور سے ہاتھ گھما رہا تھا۔ اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر وہ دونوں یونہی گھبرا گئے تھے کہ اس اثناء میں طبلچی کو کچھ اور نہیں ملا تو اس نے طبلہ اٹھا کر ایک کے سر پر دے مارا، وہ چکرا کر سیدھا زینے کی طرف بھاگا۔

رام بلی نے آخری آدمی کی گردن دبوچی اور اس کو زور سے زینے کی طرف ڈھکیل دیا۔ تینوں دھم دھم کرتے لڑھکتے لڑھکاتے گالیاں بکتے باہر چلے گئے۔

ذرا دیر کمرے کے اندر سراسیمگی کا عالم رہا۔ بعد میں اس واقعہ پر باتیں ہونے لگیں۔ سب کو طبلچی کی حرکت پر ہنسی آرہی تھی لیکن اس حادثہ سے اتنا ضرور ہوا کہ ترلوکی چند بھی رام بلی، رام بلی کا لوہا مان گیا۔ وہ اس سے کچھ اس قدر متاثر ہوا کہ باتوں باتوں میں اس نے رام بلی سے یہاں تک کہہ دیا کہ وہ ٹرک کی ملازمت چھوڑ کر اس کے پاس آجائے۔ کچھ اللہ رکھی کی سفارش اور کچھ ترلوکی چند کا اصرار ان سب باتوں سے رام بلی بھی رضامند ہو گیا ــــــــ اس نے ٹرک پر کام ختم کر دیا اور ترلوکی چند کے ہمراہ کھولی چلا گیا۔

کھولی کے چھوٹے سے قصبہ میں ترلوکی چند بڑی عالیشان کوٹھی میں رہتا ہے۔ جہاں اس کا چلتی کے برتنوں کا کارخانہ ہے۔ اس کارخانے میں کئی سو آدمی کام کرتے ہیں جو اس کو بڑے صاحب کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

ترلوکی چند نے کوٹھی کے قریب ہی، جہاں شاگرد پیشہ لوگ رہتے ہیں، رام بلی

کی رہائش کے لئے ایک کوارٹر میں بندوبست کردیا۔

وہ دن بھر کمرے کے اندر پڑا اینڈا کرتا۔ سویرے اٹھ کر بھنگ کا ایک بڑا سا گلاس چڑھاتا۔ دونوں وقت کھانا کوٹھی کا رسویا اس کو پہنچوا دیتا۔ کبھی کبھار ترلوکی چند اس کو بلوا لیتا۔ عام طور پر وہ پہلا سوال یہی کرتا "تم کو یہاں کوئی تکلیف تو نہیں ٹھاکر"۔ وہ کبھی اس کو ٹھاکر کہہ کر مخاطب کرتا۔ پھر دو چار ادھر ادھر کی باتیں ہوتیں اور اس کے بعد رام بلی واپس چلا آتا۔

کئی ماہ اسی طرح گزر گئے۔ اس عرصہ میں وہ ترلوکی چند کے ہمراہ اللہ رکھی کے یہاں بھی گیا مگر اس دفعہ اس کی پہلی سی آؤ بھگت نہ ہوئی۔ وہ تمام وقت ترلوکی چند کے مسکہ لگاتی رہی۔ اس کی ناز برداری کرتی رہی۔ بڑے صاحب کے سامنے اس کی کبھی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ وہ اللہ رکھی سے ذرا بے تکلفی سے بات کرے، پہلے وہ اس کو اللہ رکھی کہہ کر پکارتا تھا مگر اس روز وہ اس کو بائی جی کے علاوہ اور کسی لفظ سے مخاطب نہ کر سکا لیکن اس کے بعد وہ اللہ رکھی کے بالاخانہ پر پھر نہیں گیا۔ ایک آدھ بار ترلوکی چند نے کہا بھی تو وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے ٹال گیا۔

رام بلی جفاکش آدمی تھا۔ محنت کرنا اس کی گھٹی میں پڑا تھا۔ اس آرام طلبی سے وہ جلد ہی اکتا گیا چربی بڑھ جانے سے اب اس کا چھریرا جسم بے ڈول ہو گیا تھا اعضا میں جو پھرتیلا پن تھا، وہ کم ہوتا جارہا تھا۔ آخر ایک دن وہ ترلوکی چند کے پاس پہنچ گیا خلاف معمول سویرے ہی سویرے اس کو دیکھ کر اس نے پوچھا "کہو ٹھاکر آج اس وقت کیسے آ گئے؟"

وہ کہنے لگا "سرکار خالی پڑے پڑے جی اوب گیا۔ اب کچھ کام کاج ہونا چاہئے"

ترلوکی چند ہنس کر بولا "گھبراؤ نہیں، جلد ہی تمہارے لئے کوئی نہ کوئی کام نکالوں گا" رام بلی کے چہرے پر شگفتگی آ گئی۔ خوشی خوشی واپس آ گیا۔

کئی ہفتے ہو گئے۔ لیکن ترلوکی چند نے نہ تو اس کو بلوایا، نہ کوئی کام بتایا۔ لہٰذا وہ پھر اس کے پاس گیا مگر کمرے کے اندر نہ جا سکا۔ ترلوکی چند کسی کے ساتھ باتوں میں مشغول تھا۔ وہ دیر تک انتظار کرتا رہا۔ اندر سے برابر باتوں کی آواز آتی رہی۔ آخر وہ واپس چلا گیا۔

دوسرے روز پہنچا تو اس روز بھی یہی مسئلہ درپیش تھا۔ وہ مسلسل کئی دن وہاں جاتا رہا۔ اور ہر بار چپراسی اس کو اندر جانے سے روک دیتا۔

لیکن ایک روز ایسا ہوا کہ چپراسی کسی ضرورت سے اٹھ کر کہیں چلا گیا۔ اس لئے دیکھا کہ ترلوکی چند باتوں میں محو ہے۔ اس کے سامنے ایک گول مٹول سے چہرے کا پستہ قد آدمی بیٹھا تھا۔ یہ نربدا رائے تھا، جو کسی زمانے میں فیکٹری کے اندر کیمسٹ کا کام کرتا تھا اور بیرونی ممالک کا دورہ کر کے اسی ہفتہ واپس آیا تھا۔ بڑی سی میز پر دونوں کے سامنے کچھ نقشے، کچھ فائلیں اور کچھ کاغذات بکھرے ہوئے تھے۔ قصہ دراصل یہ تھا کہ نربدا رائے نے ایک اسکیم بنائی تھی جس کے مطابق دیسی مٹی سے ایسے برتن تیار کئے جا سکتے تھے، جو کارخانہ میں تیار ہونے والے برتنوں سے زیادہ خوبصورت بھی بنتے، پائیدار بھی ہوتے اور نسبتاً کم لاگت بھی ہوتے اس لئے قصبے کے قریب بہنے والی ندی کے کنارے ایک مقام پر ایسی مٹی دریافت کی تھی جس میں بعض کیمیائی اجزاء ملا کر اس اسکیم کو عملی جامہ پہنایا جا سکتا تھا۔ فیکٹری میں اس کا تجربہ بھی کیا جا چکا تھا جو حسب توقع کامیاب ثابت ہوا۔ ترلوکی چند کو اسکیم پسند

آگئی۔ مسئلہ اب یہ تھا کہ نربدا رائے نئے کارخانہ میں ۳۰ فی صد حصہ رکھنا چاہتا تھا۔ ترلوکی چند چاہتا تھا کہ دو ہزار روپے ماہانہ تنخواہ پر کام کرے۔ کئی روز کی بحث کے بعد وہ ۱۰ فی صد تک نربدا رائے کو حصہ دار بنانے کے لئے آمادہ ہو گیا تھا۔

اس وقت بھی یہی بحث ہو رہی تھی۔ ترلوکی چند بار بار اس امر کی اہمیت جتا رہا تھا کہ اس منصوبہ پر تمام سرمایہ اس کا لگے گا۔ صرف اسکیم تیار کرنے کے لئے ۳۰ فی صد کا حصہ بہت زیادہ ہے۔

رام بلی دروازے کے قریب چپ چاپ کھڑا سب کچھ دیکھتا رہا۔ باتیں چونکہ کسی قدر تلخ لہجہ میں ہو رہی تھیں۔ اس لئے ۔۔ سامنے جانے کی ہمت نہ پڑی۔ آخر ایک بار گفتگو نے ایسا رخ پلٹا کہ دونوں کے چہرے سرخ پڑ گئے۔ بھویں چڑھ گئیں۔ ترلوکی چند نے میز پر زور سے گھونسا مار کر کہا۔" کاغذ کے ان چند ٹکڑوں کی تم اتنی اہمیت سمجھتے ہو۔ دیکھ لینا الماری کے اندر پڑے پڑے ان کو دیمک چاٹ جائے گی۔"

نربدا رائے نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔" شاید آپ کو پتہ نہیں، ابھی میں نے کسی کو اس اسکیم کے متعلق تفصیلی طور سے نہیں بتایا صرف سرسری تذکرہ کیا تو کئی پارٹیاں تیار ہو گئیں۔ میں تو آپ کے پاس اس لئے آیا تھا کہ میں آپ کے کارخانے میں کام کر چکا ہوں اس لئے میں اس کی تباہی نہیں چاہتا۔"

ترلوکی چند چونک کر بولا۔" تباہی؟ اس سے تمہارا کیا مطلب ہے؟"

"یہی کہ جب یہاں دوسرا کارخانہ بن کر کھڑا ہو جائے گا اور سستے اور کم قیمت برتن تیار کرے گا تو اس کا جو کچھ اثر آپ کے کارخانہ پر پڑے گا اس کے بتلانے کی ضرورت نہیں۔"

ترلوکی چند بگڑ کر بولا۔" تم مجھ کو دھمکی دے رہے ہو، لے جاؤ اپنی یہ اسکیم اور یہ

سارا کاٹ کباڑ" اس نے غصے سے میز پر بکھرے ہوئے کاغذات اٹھا کر نمبردار آئے کی طرف پھینک دیئے۔

رام بلی نے دیکھا کہ اس وقت بڑے صاحب کا پارہ چڑھا ہوا ہے۔ لہٰذا وہ دبے قدموں وہاں سے نکل کر باہر آگیا اور سیدھا اپنے کوارٹر کی طرف چل دیا۔

اسی روز رات کو کوئی دو بجے کسی نے رام بلی کے کوارٹر پر دستک دی۔ وہ گھبرایا ہوا دروازے پر پہنچا تو دیکھا کہ سامنے کوٹھی کا پہرہ دار کھڑا ہے۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بڑے صاحب نے اسی وقت بلایا ہے۔ رام بلی فوراً اس کے ہمراہ کوٹھی کی طرف چل دیا کمرے کے اندر داخل ہو کر اس نے دیکھا کہ ترلوکی چند خاموش بیٹھا ہے۔ رام بلی کو دیکھ کر بولا "تم آ گئے ٹھاکر۔ تم روز کہا کرتے تھے کہ کوئی کام دو۔ آج میں نے تمہارے لئے ایک کام نکالا ہے" پھر اس نے چاروں طرف کمرے میں چوکنا نظروں سے دیکھا اور آہستہ سے بولا "کمرے کا دروازہ بند کر دو"

رام بلی نے جا کر دروازہ بند کر دیا۔

اس وقت کمرے کے اندر صرف ایک ٹیبل لیمپ روشن تھا جس کی ہلکی ہلکی روشنی میں ترلوکی چند بڑا پراسرار نظر آ رہا تھا۔

اس نے کھڑے ہو کر رام بلی کو پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور آگے بڑھ کر دوسرے کمرے میں کھلنے والے دروازے کو آہستہ سے کھولا اور سرگوشی کے انداز میں بولا "اندر آجاؤ" رام بلی نے غور کیا کہ اس کی آواز تھرتھرا رہی تھی۔

وہ اندر چلا گیا، کمرے کے اندر تاریکی تھی، گہری خاموشی میں ترلوکی چند کی گہری گہری سانسوں کی آواز صاف سنائی پڑ رہی تھی۔ شاید وہ ہانپ رہا تھا۔ پھر اس نے

بجلی کا سوئچ دبایا۔ کمرے کے اندر روشنی ہو گئی۔ رام بلی نے خوف زدہ نظروں سے دیکھا سامنے دیوار کے قریب ایک آدمی فرش پر پڑا تھا۔ اس کا تمام جسم خون میں لت پت تھا۔ رام بلی نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ یہ نربدا رائے تھا۔

اس نے گھبرا کر ترلوکی چند کی طرف نظریں اٹھائیں۔ وہ اسی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ دونوں کی نظریں لحہ بھر کو ملیں۔ رام بلی تھرا اٹھا۔ اسی وقت اس نے سُنا، ترلوکی چند کہہ رہا تھا "تھا کر ڈر رہے ہو؟"

رام بلی نے سنبھل کر جھٹ کہا "نہیں سرکار، لیکن ——"

"لیکن؟ لیکن یہ باتیں تمہارے جاننے کی نہیں" اس نے رام بلی کو ڈانٹ دیا۔

رام بلی کی زبان سے پھر ایک لفظ نہیں نکلا۔ دونوں خاموش کھڑے رہے۔ پھر کمرے کی خاموشی میں آہستہ آہستہ ترلوکی چند کی آواز ابھری۔ یہ آواز بالکل نئی آواز تھی۔ ایسی آواز جو اس نے ترلوکی چند کی زبان سے اس سے قبل نہیں سنی تھی۔ وہ نربدا رائے کی لاش کے برابر ستون کی طرح تنا ہوا کھڑا تھا اور بہت سنبھل سنبھل کر کہہ رہا تھا "دیکھو رام بلی ابھی دو بجنے میں دس منٹ باقی ہیں۔ ٹھیک دو بجے کوٹھی کے پھاٹک پر جیپ آجائے گی۔ سن رہے ہو تم؟"

رام بلی نے جھٹ سے کہا "جی سرکار"

وہ پوچھنے لگا "پھر تم کیا کرو گے؟"

"جو آپ حکم دیں گے"

ترلوکی چند خوش ہو کر اس کو شاباشی دینے لگا "بالکل ٹھیک۔ رام بلی تم بہت کام کے آدمی ہو۔ میں نے اس بات کو پہلی ہی نظر میں بھانپ لیا تھا"

رام بلی خاموش کھڑا رہا۔

وہ کہتا رہا "دو بجے جب جیپ آجائے تو تم فوراً وہاں پہنچ جانا۔ ڈرائیور تم کو چمڑے کا بڑا سا تھیلا دے گا، اس کو لے کر تم یہاں آجانا۔"

رام بلی بیچ میں بول اٹھا "بہت اچھی بات ہے۔"

ترلوکی چند کہنے لگا "اس کے بعد تم خریدارانے کی لاش کو چمڑے کے تھیلے کے اندر بند کر کے جیپ پر لے جانا اور ڈرائیور کے ساتھ جیپ میں بیٹھ جانا۔ تم کو ابھی ۱۱ میل سے زیادہ کا سفر طے کرنا ہے۔ زیادہ دیر نہیں لگے گی۔ ڈرائیور بہت ہوشیار ہے۔ اس کے بعد پرانے قصبہ کے کھنڈروں کے پاس زمین کھود کر لاش کو تھیلے کے ساتھ گاڑ دینا۔ گھبراؤ نہیں تمہارے ساتھ ڈرائیور کے علاوہ ایک آدمی اور بھی ہوگا۔ لیکن یہ سارا کام پو پھٹنے سے پہلے ہی ختم ہو جانا چاہئے۔ ٹھیک ہے نا۔"

رام بلی تذبذب میں پڑ گیا۔ کہنے لگا "سرکار یہ تو سب کچھ ٹھیک ہے پر ایک بات ہے ـــــ!" وہ کہتے کہتے رک گیا۔

ترلوکی چند نے جلدی سے پوچھا "کیا بات ہے؟"

وہ رک رک کر بولا "صاحب میں سب کچھ کر لوں گا، مگر خریدارانے کی لاش کو میں کھود کر زمین میں نہیں گاڑ سکتا۔"

ترلوکی چند ابھی تک حیرت زدہ تھا "کیوں؟"

رام بلی اسی انداز سے کہنے لگا "ارتھی کو سرکار میں تیل ڈال کر پھونک تو سکتا ہوں مگر مٹی میں نہیں گاڑ سکتا۔"

ترلوکی چند بگڑ کر بولا "کیا واہیات بات کرتے ہو" مگر رام بلی اپنی بات پر اڑا

دیا۔"

"آپ چاہے جو کچھ کہیں مگر یہ دھرم کی بات ہے۔"

وہ اور ناراض ہو کر بولا۔" دھرم! دھرم کا اس سے کیا تعلق۔ یہ کیوں نہیں کہتے کہ تم ڈر رہے ہو۔ جھوٹ موٹ کا بہانہ کیوں کرتے ہو؟"

رام بلی نے اصرار کیا۔" نہیں سرکار، یہ بالکل دھرم کی بات ہے۔"

"تمہارے اس دھرم کی ایسی کی تیسی۔"

رام بلی تیوری پر بل ڈال کر بولا۔" سرکار ایسی بات مت کرو۔ ہم سے کہو تو ہم آدمی کا سر اتار کر تمہارے سامنے ڈال دیں۔" رام بلی جوش میں آگیا۔" آزمانا چاہیئے ہو تو ابھی آزما لو۔ ہے کوئی آدمی، ابھی حکم کر کے دیکھ لو۔"

ترلوکی چند کو رام بلی پر غصہ تو بہت آیا۔ مگر وہ کرتا بھی کیا۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ یہ اوندھی کھوپڑی کا آدمی ہے۔ سمجھانا بیکار ہے۔ مگر اب کیا کیا جائے۔ رام بلی کو وہ ناراض بھی نہیں کر سکتا تھا، اس لئے کہ اب تو وہ اس کا رازدار بن چکا تھا اس کے علاوہ آدمی تھا جیالا۔ آئندہ بھی اس سے کام لینا تھا۔ لہذا وہ ذرا دیر خاموش کھڑا سوچتا رہا پھر شکست خوردہ لہجے میں بولا۔" اچھا ٹھاکر جیسی تمہاری مرضی!!"

رام بلی ہاتھ جوڑ کر بولا۔" سرکار میں بہت پاپی آدمی ہوں، اپنے کرموں سے ڈرتا ہوں۔"

ترلوکی چند کہنے لگا۔" نہیں ٹھاکر، تم پروا نہ کرو۔ کام ہو جائے گا۔ میں کسی دوسرے آدمی کو لگا دوں گا۔ تم اب جا کر سو جاؤ۔"

رام بلی ذرا دیر تک سر جھکائے پشیمان کھڑا رہا، پھر خاموشی کے ساتھ کمرے کے

باہر آگیا۔

ایک عرصہ تک وہ ترلوکی چند کے سامنے جانے سے کتراتا رہا مگر ترلوکی چند کے رویہ سے معلوم ہوتا تھا کہ جیسے وہ اس بات کو بالکل بھول چکا ہے۔ اس نے اس سلسلے میں رام بلی سے پھر کوئی تذکرہ نہیں کیا۔ دن اسی طرح گزرتے رہے۔ رام بلی حسب معمول بیکار پڑا اینڈتا رہا۔

یہ گلابی جاڑوں کی رات تھی۔ دسہرہ ہو چکا تھا۔ دیوالی کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ اچانک رات گئے دروازے پر دستک ہوئی۔ رام بلی نے باہر نکل کر چوکیدار کو دیکھا تو سمجھ گیا کہ آج پھر اس کو کوئی خطرناک کام کرنا ہے۔ وہی ہوا کہ چوکیدار سے معلوم ہوا کہ بڑے صاحب نے بلایا ہے۔ وہ اسی وقت وہاں پہنچا۔ ترلوکی چند اپنے کمرے میں موجود تھا۔ اس وقت وہ لمبا سا گاؤن پہنے موٹا سا سگار پی رہا تھا۔ چہرے پر بیحد سنجیدگی تھی۔ اس کو دیکھتے ہی بولا "پہلے جاکر کمرے کا دروازہ بند کر دو۔"

رام بلی نے چپ چاپ جاکر دروازہ کا بولٹ چڑھا دیا۔ جب وہ اس کے سامنے دوبارہ پہنچا تو ترلوکی چند لمحہ بھر تک اس کو گھورتا رہا۔ پھر اس نے میز کی دراز کھولی اور اس کے اندر سے بڑا سا چاقو نکال کر رام بلی کے سامنے ڈال دیا! اور منہ سے سگار کا بہت سا دھواں نکال کر کہنے لگا "اس دفعہ تم کو ارتھی کھود کر زمین میں دابنا نہیں پڑے گی، جلانا پڑے گی۔"

رام بلی آہستہ سے بولا "ایسا ہی ہوگا سرکار۔ اس دن تو بات یہ تھی کہ۔" ترلوکی چند نے بات کاٹ کر کہا "میں اس وقت پچھلی باتوں کے متعلق کچھ سننا نہیں چاہتا۔ تم خواہ مخواہ اپنی صفائی مت پیش کرو۔"

وہ ۔۔۔ چپ چاپ کھڑا رہا۔

ترلوکی چند ذرا دیر رک کر بولا "رانی ابوا کا بنگلہ تم نے دیکھا ہی ہوگا۔ تم کو اس وقت وہیں جانا ہے۔ جب تم پچھلی دیوار کے پاس پہنچو گے تو تم کو وہاں ایک آدمی ملے گا۔ وہ تم کو غسل خانے کی کھڑکی تک لے جائے گا۔ اس آدمی سے بات کرنے کی ضرورت نہیں۔ کھڑکی تم کو کھلی ملے گی، تم اس پر چڑھ کر اندر چلے جانا۔" رام بلی مورت بنا ہوا ترلوکی چند کی باتیں سنتا رہا "رانی ابوا اس وقت سو رہی ہوگی، ان کا کمرہ تم نے دیکھا ہے۔ اس کمرے کا بھی کھڑکی کھلی ہوگی۔ ہوشیاری سے اندر چلے جانا۔ چاقو تمہارے پاس ہے۔ میں رانی ابوا اور منوہر کے متعلق کل یہ سننا نہیں چاہتا کہ وہ زندہ ہیں۔ یہ کام تم کو کرنا ہے۔ جب اس کام سے فارغ ہو جاؤ پھر غسل خانے کی کھڑکی پر پہنچ جانا۔ وہیں تم کو پٹرول کا ٹین مل جائے گا۔ اس کو چھڑک کر کمرے میں آگ بھی تم ہی کو لگانا پڑے گی۔ سب کچھ سمجھ گئے نا۔"

رام بلی نے سینہ تان کر کہا "جی سرکار، ایسا ہی ہوگا۔"

پھر ترلوکی چند نے ذرا سختی سے کہا "اس دفعہ کام نہیں ہوا تو تھا کر یہ بہت بری بات ہوگی۔ واپسی تک میں یہاں بیٹھا تمہارا انتظار کرتا رہوں گا۔"

کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر رام بلی نے چاقو اٹھایا۔ اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ ترلوکی چند نے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں کی۔

وہ چپ چاپ بیٹھا رام بلی کے قدموں کی چاپ سنتا رہا۔

جب کوٹھی کا پھاٹک کھول کر رام بلی دور چلا گیا تو وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور بے چینی سے کمرے میں ٹہلنے لگا۔ پچھلے کئی ہفتے سے وہ بے حد پریشان تھا۔ پہلی مصیبت

تو یہ تھی کہ شہر سے کچھ ٹریڈ یونین ورکر آ گئے تھے۔ انھوں نے کارخانے کے مزدوروں سے میل جول کر کے ان کی ایک چھوٹی سی یونین بنا ڈالی تھی قصبہ کے ایک مکان میں اس کا دفتر بھی قائم کر دیا جہاں روزانہ شام کو مزدوروں کے جلسے ہوتے تھے۔ اس طرح کارخانے کے کاریگروں اور قلیوں کی زبان سے ایسی باتیں سننے میں آ رہی تھیں جن سے کارخانے میں گڑبڑ ہو جانے کا خطرہ تھا۔

دوسرا خطرہ رانی بوا تھیں جو سورگباشی سیٹھ مرلی چند یعنی [illegible] کے پتا کی دوسری بیوی تھیں جن کے اکلوتے لڑکے منوہر چند کا کارخانے میں ۵۰ فیصدی کا حصہ تھا اور بقول ترلوک چند جن کے بھیا شیو بھالی رانی بوا کو اس بات پر اکساتے رہتے تھے کہ ترلوک چند ہیرا پھیری کر رہا ہے۔ اس نے کارخانے کے اکاؤنٹنٹ اور دوسرے عملے کو اپنے ساتھ ملا لیا ہے اور کارخانے کے منافع کو بہت کم کر کے بتاتا ہے۔ اس کام کے لئے اس نے جعلی رجسٹر تیار کئے ہیں لہذا کارخانے کے انتظام میں ان کو برابر سے شریک کیا جائے ورنہ کارخانہ فروخت کر کے رانی بوا کے حصہ کی رقم ان کو دے دی جائے۔ ترلوک چند کے لئے یہ بڑا کٹھن مرحلہ تھا۔ وہ دونوں باتوں میں سے ایک بھی ماننے کے لئے آمادہ نہ تھا۔

ترلوک چند دیر تک بے چینی کے عالم میں ٹہلتا رہا۔

رام لی درختوں کے سایوں میں دبے دبے قدموں سے چلتا ہوا رانی بوا کے بنگلہ کے پاس پہنچ گیا۔ اب چاند ڈوب چکا تھا۔ ہر طرف گہرا اندھیرا تھا صرف کارخانہ کی مشینوں کی گڑگڑاہٹ سنسان رات میں [illegible] تھی۔ پچھلی دیوار کے پاس پہنچ کر وہ ٹھہر گیا مگر وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے سوچا اب کیا کیا جائے؟

ذرا دیر بعد قدموں کی چاپ سنائی دی۔ کوئی اسی طرف آرہا تھا۔ رام بلی نے چاقو کو مضبوطی سے تھام لیا۔ آخر دیوار کے اس طرف کسی کی پرچھائیں سی معلوم ہوئی، اس نے سرگوشی کے انداز میں کہا "رام بلی!"

دوسری طرف سے آواز آئی "چلے آؤ۔"

رام بلی اس کے قریب پہنچ گیا۔ اندھیرے میں وہ اس کو ٹھیک سے نہ دیکھ سکا۔ صرف اتنا اندازہ ہوا کہ وہ پراسرار آدمی لمبے قد کا تھا اور کمبل میں لپٹا ہوا تھا دونوں نے ایک دوسرے سے کوئی بات نہیں کی۔ چپ چاپ ساتھ چلتے رہے۔ جب وہ ایسی جگہ پہنچ گئے۔ جہاں سے بنگلہ کے پھاٹک پر جلنے والی بجلی کی روشنی ان پر پڑ سکتی تھی تو وہ آدمی ٹھہر گیا اور آہستہ سے کہنے لگا: غسل خانے کی کھڑکی کھلی ہے یہاں سے جو تیسری کھڑکی ملے گی، وہی کھڑکی ہوگی۔"

رام بلی نے بھی رازدارانہ لہجہ میں کہا: "اچھی بات ہے۔"

چلتے چلتے اس آدمی نے کہا "میں یہیں رہوں گا۔ تم دوبارہ آؤ گے تو مجھ سے پٹرول لے جانا۔"

رام بلی اس کی ہدایت کے مطابق تیسری کھڑکی پر چڑھ کر بنگلہ کے اندر پہنچ گیا۔ کچھ دیر وہ خاموش کھڑا آہٹ سننے کا انتظار کرتا رہا مگر بالکل سناٹا تھا۔ وہ دبے قدموں چلتا ہوا راہ داری میں آیا اور رانی لوا کے کمرے کی جانب چل دیا۔

کمرے کے دروازے پر پہنچ کر اس نے دیکھا اندر روشنی ہو رہی ہے مگر ہر طرف خاموشی تھی۔ دروازے سے ذرا ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ لیکن ابھی وہ اندر جانے کا منصوبہ بھی تیار نہ کر سکا تھا کہ اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی نکل کر باہر

آگیا۔ اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھا۔ ارے یہ تو رانی بوا تھیں۔ وہ دیوار کے سامنے میں چپٹ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ اس کے برابر سے گزر کر دوسرے کمرے کی طرف چلی گئیں۔ وہ بالکل بے خبری کے عالم میں چل رہی تھیں۔

رام بلی نے چاقو پر ہاتھ رکھ کر سوچا کہ پیچھے سے حملہ کر دوں۔ لیکن پھر اس نے ہاتھ روک لیا۔ ابھی موقع نہیں ہے۔ اگر وار اوچھا پڑا اور انھوں نے زخمی ہو کر ہائے کی تو غضب ہو جائے گا۔ ابھی فیکٹری کے سارے چوکیدار یہاں اکٹھے ہو جائیں گے وہ وہاں سے ہٹ کر سامنے والے کمرے کے باہر لٹکے ہوئے پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ واپس آئیں اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی کمرے کے اندر چلی گئیں اس دفعہ رام بلی دروازہ کے بجائے کھڑکی پر پہنچا۔ کھڑکی کا ایک پٹ ذرا سا کھلا تھا۔ اس نے اندر جھانک کر دیکھا۔ رانی بوا کے ہاتھ میں پیتل کی جھلکتی ہوئی گنگا جلی تھی اور وہ کمرے میں خاموش کھڑی کچھ سوچ رہی تھیں۔ دوہرا بدن، درمیانہ قد سر کے سیاہ بالوں میں کہیں کہیں پر جھلکتے ہوئے سفید بال، چہرہ پر سنجیدہ وقار، کمرے کی دھندلی روشنی میں وہ کسی قدر بے چین نظر آ رہی تھیں۔

ذرا دیر بعد انھوں نے چوکنا نظروں سے کمرے کا جائزہ لیا۔ پھر گنگا جلی میز پر رکھ دی۔ رام بلی ایک آنکھ دبائے، سانس روکے ان کو کھڑکی کی جھری سے دیکھتا رہا اور دیکھتے ہی دیکھتے رانی بوا نے تمام کپڑے اتار ڈالے۔ ان کو اس حالت میں دیکھ کر رام بلی کانپ اٹھا۔ پھر انھوں نے میز پر سے گنگا جلی اتاری اور ٹھنڈے فرش پر لیٹ گئیں۔ کچھ لمحے وہ اسی عالم میں پڑی رہیں۔ پھر انھوں نے گنگا جلی کا منہ کھولکر اس کا پانی

اپنے برہنہ جسم پر چھڑکنا شروع کردیا۔ ہر بار جب پانی کا چھینٹا ان کے بدن پر پڑتا تو وہ سردی سے کپکپا کر ہلکی سی سسکی بھرتیں۔

رام بلی ان کو اس حالت میں نہ دیکھ سکا۔ ایکبارگی خوف زدہ سا ہوگیا۔ ڈر کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلیں اور کھڑکی کے پاس سے فوراً ہٹ گیا۔ اس کا جسم خوف سے کانپ اٹھا۔ بوجھل سانسیں بھرتے ہوئے اس نے سوچا یہ تو بہت برا ہوگیا۔ جب کوئی عورت گنگاجی کا پوتر جل اپنے بدن پر چھڑک رہی ہو تو اس کو اس طرح چوری چوری دیکھنا کوئی اچھی بات نہیں ہے بھگوان! یہ تو بہت بڑا پاپ ہوگیا۔ یہ خیال آتے ہی وہ گھبرا کر غسل خانے کی جانب تیز تیز قدموں سے چل دیا۔

جب وہ کھڑکی پر پہنچا تو کسی نے دبی زبان سے کہا "بہت دیر لگادی، لو یہ لے لو۔ سب کام ٹھیک ہے نا" رام بلی نے چپ چاپ اس کے ہاتھ سے پیڑوں کا ٹین لے لیا اور کھڑکی سے لگا خاموش کھڑا رہا۔

آخر اس پر اسرار آدمی کے قدموں کی آواز جب درختوں کے تاریک سایوں تلے ڈوب گئی تو وہ کھڑکی پھاند کر باہر آگیا اور سیدھا کوٹھی کی طرف چل دیا۔

جس وقت وہ ترلوکی چند کے سامنے پہنچا تو اس کا چہرہ پسینے سے شرابور تھا اور ہانپنے کے سے انداز میں لمبی لمبی سانسیں بھر رہا تھا۔ ترلوکی چند اس کو دیکھ کر مسکرا دیا۔

"بیٹھ جاؤ" لیکن رام بلی خاموش کھڑا رہا۔ ترلوکی چند پوچھنے لگا "سب ٹھیک ہے نا؟"

رام بلی کوئی جواب نہ دے سکا۔ اس نے چپ چاپ سر جھکا دیا۔

ترلوکی چند نے اس کو تمسخر سے کی سی نظروں سے دیکھا اور آواز پر زور دے کر کہا۔

"بولتے کیوں نہیں۔ بولو کیا کر آئے ہو؟"

رام بلی کے ہاتھ میں پٹرول کا ٹین ابھی تک لٹک رہا تھا۔ اس نے ٹین کو ترلوکی چند کے سامنے کر دیا۔

"صاحب! آپ پٹرول چھڑک کر میرے بدن میں آگ لگا دیجئے، مجھ سے عورت بچہ تو نہیں جلایا جا سکتا۔"

ترلوکی چند چیخ کر بولا "تم الو کے پٹھے ہو۔"

رام بلی بت بنا کھڑا رہا۔

ترلوکی چند نے طعنہ دیا "تم تو صرف رنڈیوں کی چوکیداری کر سکتے ہو۔"

رام بلی نے یک بارگی ترلوکی چند کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔

"صاحب ایسی بات مت کہیے، یہ جھوٹ ہے۔"

ترلوکی چند ہوشیار آدمی تھا۔ رام بلی کے بگڑتے تیور دیکھ کر اس نے اپنا انداز بدل دیا اور ایک لمبی "ہوں" کر کے خاموش بیٹھا سگار پیتا رہا۔

کمرے کے اندر سگار کے دھوئیں کی تیز بو پھیلی ہوئی تھی اور ٹیبل لیمپ کی روشنی کے پیچھے سایوں میں لپٹا کالا کلوٹا رام بلی ستون کی طرح قد آور نظر آ رہا تھا۔ اس کے سامنے ترلوکی چند کا چوڑی چکلی کرسی میں سمٹا ہوا جسم بے حد حقیر نظر آ رہا تھا۔ دونوں خاموش تھے۔ دونوں ایک دوسرے کے متعلق سوچ رہے تھے۔ ذرا دیر بعد ترلوکی چند نے نظریں اٹھا کر رام بلی کی جانب دیکھا اور رک رک کر کہنے لگا

رام بلی، ابھی رات باقی ہے، تم ایک اور کام کر سکتے ہو"

رام بلی نے جواب تو کوئی نہیں دیا۔ البتہ اس کا چہرہ سوالیہ نشان بن گیا۔

"اچھا کیا کہ تم پٹرول کا ٹین یہاں لے آئے۔ اس کو لے جاؤ اور قصبہ میں مزدوروں کی یونین کا جو دفتر ہے اس کو پھونک دو" رام بلی کے لئے یہ دوسرا خطرناک کام تھا۔"

رام بلی نے حسب معمول حامی بھر لی "بہت اچھا سرکار!"

ترلوکی چند بولا "ایک بار پھر میں یہاں تمہاری واپسی کا انتظار کروں گا"

رام بلی نے پٹرول کا ٹین سنبھالا اور کمرے سے باہر چلا گیا۔

ترلوکی چند اسی طرح کرسی پر بیٹھا سگار کا دھواں کمرے میں بکھیرتا رہا۔ اس کے چہرے پر لیمپ کی روشنی کا ہلکا ہلکا عکس جھلک رہا تھا۔ اس وقت وہ صرف اس بات پر غور کر رہا تھا کہ اس دفعہ بھی رام بلی نے دھوکا دیا تو کیا کیا جائے۔ رام بلی کو ایک اور موقع دیا جائے، نکال دیا جائے یا مروا دیا جائے۔ اس لئے کہ وہ اس کے کئی راز جان گیا تھا۔

گھنٹہ بھر تک رام بلی واپس نہ آیا تو ترلوکی چند کو تشویش ہوئی اور وہ بے چین ہو کر کمرے میں ٹہلنے لگا۔ آدھا گھنٹہ اور گزر گیا۔ اب چار بجنے والے تھے۔ ہوا خاصی سرد ہو گئی تھی۔ تھوڑی دیر بعد کارخانے کی رات والی شفٹ کی چھٹی کا سائرن بجنے لگا۔ قلی ایک دم سے کارخانے کے بڑے پھاٹک سے نکلنا شروع کر دیں گے۔

اس نے پریشان ہو کر سوچا، رام بلی کو واپس آجانا چاہیئے۔ پھر جھنجھلا کر وہ رام بلی کو گالیاں دینے لگا۔ اسی وقت باہر ورانڈے میں قدموں کی آہٹ سنائی دی،

ترلوکی چند نے تشویش ناک نظروں سے دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ آہستہ سے کھلا۔ رام بلی اس کے سامنے کھڑا تھا۔ ترلوکی چند نے جلدی سے پوچھا "کیا کر آئے؟"

رام بلی نے سینہ تان کر کہا "سب ٹھیک ٹھاک ہے۔"

ترلوکی چند جھٹ سے اس کھڑکی پر پہنچا جو باہر کی جانب کھلتی تھی۔ اس نے قصبہ کی جانب دیکھا۔ ایک مقام پر آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے اور لوگوں کی ملی جلی آوازوں کا دبا دبا شور رات کے سناٹے میں صاف سنائی پڑ رہا تھا دیکھتے ہی دیکھتے شعلے اور تیز ہو گئے قصبہ پر گہری سرخ روشنی پھیلتی جا رہی تھی اس نے کھڑکی بند کر دی اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا رام بلی کے پاس پہنچا۔ سرگوشی کے انداز میں بولا "یہ کام ہوشیاری سے کیا ہے نا کسی نے دیکھا تو نہیں؟"

رام بلی نے انکار میں گردن ہلا دی۔

ترلوکی چند نے بڑے پیار سے اس کی پیٹھ کو تھپتھپایا "اچھا ٹھاکر اب تم جا کر سو جاؤ۔"

رام بلی دروازے کی طرف چل دیا۔ ابھی اس نے دروازہ کھولا بھی نہیں تھا کہ ترلوکی چند نے اسے ٹھہرا لیا اور میز کی دراز کھول کر رم کی ایک بوتل نکالی اور اس کی طرف بڑھا دی "تھوڑی سی پی کر سو جانا، اچھی نیند آئے گی۔"

رام بلی اپنے غلیظ دانت نکال کر خوشی سے ہنسنے لگا۔

"سرکار اس کی بڑی ضرورت ہے۔ یہ تو بہت بڑھیا شراب لگتی ہے۔"

اس نے بوتل لی اور جلدی سے باہر چلا گیا۔

یونین کا دفتر جل کر بالکل برباد ہو گیا۔ مزدوروں میں کھلبلی پڑ گئی۔ تفتیش کے لیے پولیس بلائی گئی۔ قصبہ کے کئی آدمیوں کو پولیس نے حوالات میں بند کر کے اچھی طرح زدوکوب کیا مگر آگ لگانے والے کا کوئی سراغ نہ مل سکا

تین!

ترلوک چند کا اندازہ غلط نکلا۔ کارخانے کے خلیوں میں گڑبڑ ہو جانے کا خطرہ اچانک بڑھ گیا۔ آگ لگنے کے واقعے کو ابھی ہفتہ بھر بھی نہیں گزرا تھا کہ یونین کی جانب سے اس کو ایک نوٹس ملا۔

جس وقت اس کو سکریٹری نے نوٹس دیا، وہ خریدار اسے کی اسکیم کے کاغذات میز پر پھیلائے اس پر کام شروع کرنے کے متعلق غور کر رہا تھا۔ اس نے نوٹس دیکھا۔ یونین نے مطالبہ کیا تھا۔

"کارخانے کے مزدوروں کا مہنگائی الاؤنس بڑھایا جائے۔

"کام کے اوقات پر سختی سے عمل کیا جائے۔ دیر تک کام کرانے کا پورا پورا اوور ٹائم دیا جائے۔

کسی کاریگر کو بلا وجہ ملازمت سے برطرف نہ کیا جائے۔
رہنے کے لئے کوارٹر، علاج کے لئے مفت طبی امداد اور بچوں کے لئے مفت تعلیم کا بندوبست کیا جائے۔

ترلوکی چند نے پورا نوٹس ٹھیک سے پڑھا بھی نہیں غصہ سے اٹھا کر سکریٹری کے سامنے ڈال دیا " سالوں کا دماغ خراب ہوگیا ہے " وہ ذرا دیر خاموش بیٹھا رہا۔ پھر اس سے کہنے لگا " کہہ دینا، نوٹس کا جواب ان کو مل جائے گا۔"

سکریٹری چلا گیا۔ ترلوکی چند اب اس [illegible] پر غور کرنے لگا۔

ہفتہ بھر کا وقت دیا گیا تھا۔ وہ ہفتہ بھر تک اس فتنہ کو دبانے کی سازش تیار کرتا رہا۔ لیکن ابھی سازش تیار بھی نہ ہوئی تھی کہ اس نے سنا مزدوروں نے ہڑتال کر دی ہے۔ شام کی شفٹ میں کوئی مزدور کام پر نہ آیا۔ کارخانے کے باہر جو بڑا سا میدان تھا۔ اس میں یونین کے جلسہ کا انتظام کیا جا رہا تھا۔

ترلوکی چند نے رام بلی کو بلایا۔ جب وہ آگیا تو اس نے پہلا سوال یہ کیا " تم نے شام کو ٹھنڈائی (بھنگ) کے کتنے گلاس پئے ہیں؟"

رام بلی مسکرا کر بولا " سرکار! صرف دو چھوٹے گلاس "

ترلوکی چند نے زبردستی ہنسنے کی کوشش کی " یہ تو بہت کم ہے " اس نے میز کے خانے سے پھر رم کی بوتل نکالی اور رام بلی کی طرف بڑھا کر کہنے لگا " پوری جا کر ابھی ختم کر دو "

رام بلی گھبرا کر بولا " یہ تو بہت ہے "
ترلوکی چند نے پیار سے ڈانٹ کر کہا " ٹھاکر جھوٹ مت بکو "

رام بلی جھوم کر بولا "جیسی مرضی سرکار کی۔"

وہ کہنے لگا "آج رات کو کارخانے کے سامنے مزدوروں کا جلسہ ہے۔ میں چاہتا ہوں یہ جلسہ نہ ہو۔ میں تم کو کچھ آدمی بھی دے دوں گا۔"

رام بلی اکڑ کر بولا "نہیں سرکار، آدمیوں کی کیا ضرورت ہے۔ بس ایک بڑھیا سی لاٹھی منگوا دو، آپ کی مہربانی سے ایک بھی سامنے ٹھہر جائے تو یہ گردن سر سے اتار دینا۔"

ترلوکی چند ہنسنے لگا "نہیں نہیں، کچھ نہ کچھ مدد تمہارے ساتھ ضروری ہے، وہ بہت سے ہوں گے۔"

رام بلی اپنی بات پر اڑا رہا "ساب آپ بھی کیا بات کرتے ہیں۔ آپ نے رام بلی کے ہاتھ ابھی دیکھے نہیں، ذرا چل کر تماشا تو دیکھئے گا، کوئی مائی کا لال میدان میں رہ جائے تو بیشاب سے مونچھ منڈوا دینا۔"

اس نے مونچھ پر تاؤ دیا اور سینہ تان کر چٹان کی طرح کھڑا ہو گیا۔

تھوڑی دیر تک ضروری ہدایتیں لینے کے بعد رام بلی کوٹھی سے باہر چلا گیا، اپنے کوارٹر میں جا کر اس نے بوتل کھولی۔ رسوئیے سے پکوڑے تلوا کر منگائے اور جھوم جھوم کر شراب پینے لگا۔

آٹھ بجے تک وہ اسی طرح پیتا رہا۔ جب بوتل ختم ہو گئی تو وہ اٹھ کر کوٹھی کی طرف چل دیا۔ چوکیدار سے معلوم ہوا کہ ترلوکی چند موٹر سے لکھنؤ گیا ہے۔ البتہ وہاں تیرہ آدمی موجود تھے۔ خوب مضبوط کڑیل جوان۔ انھوں نے ہاتھ جوڑ کر رام بلی سے کہا "جے رام جی کی ٹھاکر۔" رام بلی نے خوش ہو کر ان کو دیکھا "اچھا، تو تم

سب آ گئے ہ؟

پھر اس کو لاٹھیاں دکھائی گئیں۔ اس نے ایک لمبی سی لاٹھی نکالی جس کے دونوں سروں پر لوہے کا ٹھوس خول چڑھا تھا۔ رام بلی نے اس کو لچا کر دیکھا۔ دو چار ہاتھ گھمائے، لاٹھی اس کو پسند آ گئی

آدھ گھنٹے تک وہ کوٹھی کے قریب درختوں کے اندھیرے میں بیٹھے رہے سامنے میدان میں ایک گیس بتی جل رہی تھی۔ کارخانے کے مزدور آہستہ آہستہ میدان میں اکٹھے ہوتے جا رہے تھے کوئی پونے نو بجے جلسہ شروع ہوا، ایک مزدور لیڈر کھڑے ہو کر تقریر کرنے لگا۔ بیچ بیچ میں نعرے لگتے۔ تالیاں بجتیں۔ جب جلسہ گرمی پر آیا تو رام بلی نے اپنے آدمیوں کو ساتھ لیا اور جلسہ گاہ کی طرف چل دیا۔

جلسہ سے تھوڑی دور ہٹ کر وہ سب ایک جگہ اندھیرے میں کھڑے ہو گئے۔ اسکیم کے مطابق پہلے ایک آدمی کو جلسہ گاہ بھیجا گیا۔ وہ ایسے زاویئے سے جا کر کھڑا ہوا کہ گیس بتی کی پوری روشنی اس پر پڑ رہی تھی۔ تین بار وہ سر کھجانے کے انداز میں اپنا ہاتھ کنپٹی تک لے گیا۔ یہ بڑے صاحب کے ان آدمیوں کے لئے اشارہ تھا جو پہلے ہی سے جلسہ میں مختلف مقامات پر تعینات کر دیئے گئے تھے۔

اسی وقت جلسہ کے ایک کونے سے کسی نے گردن اٹھا کر رٹا ہوا جملہ دہرایا۔

" بکواس بند کرو، یہ بالکل جھوٹ ہے "

ابھی اس کی آواز رکنے بھی نہیں پائی تھی کہ دوسری سمت سے آواز آئی "

ایسا کبھی نہیں ہوا، تم مزدوروں میں پھوٹ ڈلوانا چاہتے ہو "

پھر تو کئی طرف سے مختلف قسم کی آوازیں آنے لگیں، سیٹیاں بجنے لگیں،

مرغوں اور بکریوں کی آوازیں نکال نکال کر ترلوکی چند کے آدمیوں نے جلسہ میں ہنگامہ برپا کر دیا۔ اب ہر طرف سے آوازیں آ رہی تھیں، شور مچ رہا تھا۔

آوازیں دھیمی بھی نہیں پڑنے پائی تھیں کہ اچانک رام بلی اپنی ٹولی کو لے کر جلسہ کے اندر گھس گیا اور اندھا دھند لاٹھیاں چلانا شروع کر دیں۔ کارخانے کے قلی جو گڑبڑ سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے، اس حملہ سے بالکل بدحواس ہو گئے۔ رام بلی نے گیس بتی کے پاس پہنچ کر اس پر لاٹھی کا بھرپور ہاتھ مارا۔ گیس بتی دور جا کر گری۔ اس کی چمنی چکنا چور ہو گئی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا پھیل گیا، اور اس اندھیرے میں لاٹھیاں تیزی سے چلتی رہیں۔ شور اور تیز ہو گیا۔ قلیوں میں بھگدڑ مچ گئی، جس کا جدھر منہ اٹھا، وہ اسی طرف بھاگا۔ چند ہی منٹ میں جلسہ گاہ کھنڈر کی طرح ویران ہو گئی۔ ٹوٹی ہوئی گیس بتی ایک طرف لڑھکی پڑی تھی۔

رام بلی اور اس کے ساتھ کے لوگ بھی کارخانے کے اندر واپس آ گئے۔ انھوں نے کچھ دیر تک کوٹھی کے قریب درختوں کے نیچے بیٹھ کر آرام کیا۔ جب ذرا سستا گئے تو اپنے اپنے گھروں کو چل دیے۔

جلسہ نہ ہونے کے باوجود بھی ہڑتال جاری رہی۔ سویرے ہی سویرے مزدوروں کی ٹولیاں پھاٹک پر اکٹھا ہونے لگیں۔ مگر کام پر کوئی نہ گیا۔ اگر کوئی آدمی اندر جانے کی کوشش بھی کرتا تو پکیٹنگ کرنے والے مزدور اس کی ٹھوڑی کو چھو کر خوشامد کرتے بعضوں نے سختی کی تو انھوں نے پیروں پر ٹوپی تک ڈال دی۔ اس طرح وہ مزدور بھی کارخانے میں نہ جا سکے جو ہڑتال میں شریک نہیں تھے اور جنھوں نے ترلوکی چند کے ایجنٹوں سے صبح کارخانے میں کام کرنے کا وعدہ کر لیا تھا۔

ترلوکی چند واپس آگیا تھا اور اس وقت دفتر میں موجود تھا۔ ہڑتال کے متعلق اس کو لمحہ لمحہ کی خبر مل رہی تھی۔ جب دن خاصا چڑھ گیا اور کوئی مزدور کام پر نہ آیا تو اس نے تھانہ پر ٹیلیفون کیا اور پھاٹک پر پہرہ دینے کیلئے کچھ کانسٹیبل بلوالئے۔ ان کے پاس بندوقیں تھیں جن پر سنگینیں چڑھی ہوئی تھیں۔

جب پولیس آگئی تو ترلوکی چند نے فوراً اپنے ایجنٹوں کو دوڑایا کہ وہ مزدوروں کو دلاسا دے کر، ڈرا دھمکا کر کسی نہ کسی طرح ترغیب دلا کر کام پر بلا لائیں۔ اس لئے کہ وہ یہ چاہتا تھا کہ کارخانہ کسی طرح بند نہ ہو، اس طرح مزدوروں کے حوصلے بڑھ جانے کا خطرہ تھا۔ علاوہ ازیں اس کو فوج کے لئے ایک فوری آڈر سپلائی کرنا تھا لیکن پولیس کو دیکھ کر بھی ہڑتالی مزدور مرعوب نہ ہوئے۔ پکیٹنگ زوروں پر جاری رہی۔

دوپہر کو ترلوکی چند نے رام بلی کو بلوایا اور اس کے سپرد یہ کام کیا کہ وہ ہڑتالی مزدوروں کو مار پیٹ کر کے پھاٹک سے پرے بھگا دے۔ رام بلی نے رات والے آدمیوں کو اکٹھا کیا، لاٹھیاں سنبھالیں اور نہتے مزدوروں پر حملہ کر دیا۔ ایک ہی ریلے میں مزدور تتر بتر ہو گئے، مگر ذرا دیر کے بعد ادھر ادھر سے اکٹھے ہو کر پھر وہیں آ گئے۔

اس دفعہ وہ کارخانے کے پھاٹک سے خاصا دور رہے، اور گلا پھاڑ پھاڑ کر بڑے جوش میں نعرے لگا رہے تھے۔ رام بلی پھر بدمعاشوں کے گروہ کے ساتھ پھاٹک سے نکلا۔ اس دفعہ مزدور بھی تیار تھے۔ انھوں نے رام بلی پر پتھراؤ شروع کر دیا پتھروں سے رام بلی کے گرگوں کے علاوہ پولیس والوں کے بھی تھوڑی بہت چوٹ آ گئی، مگر ان کو گولی چلانے کا حکم نہیں تھا اس لئے وہ پھاٹک کے اندر چلے گئے۔

پتھر برابر چلتے رہے۔ جب کبھی رام بلی پھاٹک پر نمودار ہوتا، مزدور پتھروں کی

بارش شروع کر دیتے۔ انھوں نے اچھا خاصا محاذ بنا لیا تھا۔ وہ دو گروہوں میں بٹ گئے تھے جو لوگ پیچھے تھے وہ سڑک کی مرمت کیلئے پڑے ہوئے پتھروں کے ڈھیروں میں سے پتھر ڈھونڈ ڈھونڈ کر لا رہے تھے اور جگہ جگہ ان کی ڈھیریاں بناتے جا رہے تھے۔

کئی بار جب رام بلی کو ناکامی ہوئی تو جھنجھلا کر اس نے اپنے آدمیوں کو للکارا اور پتھروں کی بوچھار میں آگے بڑھتا چلا گیا۔ کئی پتھر اس کے آکر لگے مگر وہ ٹھہرا نہیں آگے ہی قدم بڑھاتا رہا۔ قریب پہنچ کر وہ مزدوروں پر ٹوٹ پڑا۔ وہ اس کے حملے کی تاب نہ لا سکے اور جلد ہی بھاگ کھڑے ہوئے۔ ترلوکی چند پھاٹک سے دور کھڑا سب کچھ دیکھ رہا تھا رام بلی مزدوروں پر حملہ کرتا ہوا دور تک چلا گیا اور دیر تک کھڑا ان کی واپسی کا انتظار کرتا رہا، مگر جب کوئی بھی نظر نہ آیا تو واپس آگیا۔ اس وقت اس کے جسم پر کئی جگہ سے خون بہہ رہا تھا مگر وہ سینہ تانے ہوئے چل رہا تھا۔

مزدور کچھ اس قدر خوف زدہ ہو گئے کہ وہ شام تک پکیٹنگ کے لئے نہ آئے دوسرے دن رام بلی سویرے سویرے ہی پھاٹک کے پاس جا کر اپنے آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ مگر اس روز بھی کوئی پکیٹنگ نہ ہوئی۔ اب ترلوکی چند کے آدمیوں نے بھاگ دوڑ تیز کر دی تھی اس روز بھی کارخانہ چل نہ سکا لیکن کچھ مزدور کام پر آئے ضرور۔

یونین ہڑتال جاری نہ رکھ سکی۔ اس نے غیر مشروط طور پر ہڑتال ختم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ترلوکی چند اتنا خوش ہوا کہ اس نے رام بلی کی تنخواہ چالیس روپے سے ایک دم سو روپے کر دی۔ اس کے علاوہ اس کو دو سو روپے نقد، شراب کی تین بوتلیں اور اپنا ایک اوورکوٹ بھی دیا، جس کو پہن کر رام بلی تھانیدار کی طرح اکڑ کر چلتا۔

چار!

جس روز رام بلی کو تنخواہ کے پورے سو روپے ملے۔ اسی دن اس نے تزلوکی چند سے ہفتہ بھر کی چھٹی لی اور رات کی گاڑی سے بہرام گھاٹ کی جانب چل دیا۔

دوسرے دن سہ پہر کے وقت وہ بہرام گھاٹ پہنچا۔ وہاں اور تو کوئی اس کا رشتہ دار نہ تھا صرف ایک بہن تھی۔ وہ سیدھا اس کے گھر پہنچا۔ بہن نے عرصہ دراز بعد اس کو دیکھا تو خوشی سے چیخ نکل گئی۔ اس کا بہنوئی جو ریلوے میں پوائنٹ مین تھا اور ہمیشہ اس کو گالیاں دیا کرتا تھا، یہ سن کر کہ وہ سو روپے مہینہ کا ملازم ہو گیا ہے، بڑی خندہ پیشانی سے پیش آیا۔

شام کے وقت وہ لبسوں کے اڈے پر گیا۔ اس روز سردی تیز تھی ہوا کے

جھکڑ چل رہے تھے۔ ٹین کے لمبے شیڈ کے نیچے موٹر ڈرائیور، کلینر اور اسی قبیل کے لوگ الاؤ دہکا کر زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ رام بلی اس وقت اپنا اوورکوٹ، خاکی پتلون اور سیاہ پالش سے چمکتا ہوا جوتا پہنے ہوئے تھا۔ جسیم شحیم اس لباس میں ٹمبر کے پاسنگ افسر کی طرح شاندار نظر آ رہا تھا۔ اس کو دیکھ کر الاؤ کے گرد بیٹھے ہوئے لوگوں میں کھلبلی پڑ گئی۔ باتوں کا شور یکبارگی ٹھہر گیا۔ ایکا ایکی کسی نے اس کو پہچان کر زور کا نعرہ بلند کیا۔

"ابے یار رام بلی تو ہے، کب آیا!"

پھر کئی طرف سے آوازیں آئیں۔

"ہم تو سمجھے تھے کہ تو مر کھپ گیا۔ پر تیرے تو بڑے ٹھاٹھ دکھائی دے رہے ہیں۔"

"سالے نے بہروپ دھار ہی دیا تھا۔ میں تو سمجھا کہ ٹریفک کا انسپکٹر اس وقت آ مرا!"

"آؤ میری جان ادھر آؤ۔"

رام بلی کو ان کا یہ انداز کچھ اچھا معلوم نہیں ہوا۔ کہنے لگا "نہیں، مجھ کو یہیں رہنے دو، زیادہ دیر تک مجھ کو ٹھہرنا نہیں۔"

کسی نے گندی سی گالی دی "ابے تیری ما ...... سالا بالکل لاٹ صاحب ہو گیا ہے۔"

"ہاں جی، بات کیسے کر رہا ہے۔" دوسری طرف سے ایک اور آواز آئی۔

پھر دو آدمی اٹھ کر اس کے پاس آ گئے۔ رام بلی انکار کرتا رہا، مگر وہ اس کو زبردستی کھینچ کر الاؤ کے پاس لے آئے۔ ایک ڈرائیور نے جیب سے ایک روپیہ نکال کر

ایک کلینر کے سامنے پھینک کر کہا: "جا نا یار لپک کر ایک بوتل تو لانا۔" کلینر نے روپیہ اٹھایا۔ اور شراب لینے چلا گیا۔

سب نے مل کر رام بلی پر سوالوں کی بوچھار کر دی ـــــ وہ ہنس ہنس کر سب کی باتوں کا جواب دیتا رہا۔ اب نذرادہ ان سے مانوس ہو چکا تھا۔ تھوڑی دیر میں بوتل آئی ...... اور پھر سے کڑوی تلخ اور تیز شراب کا دور چلنے لگا۔ اس وقت وہاں نو آدمی موجود تھے۔ ذرا دیر میں بوتل ختم ہو گئی۔ رام بلی نے سرور کے عالم میں جیب سے دس روپے کا نوٹ نکال کر سامنے کر دیا۔

"لو یار، سب کی شراب لے آؤ۔"

اسی وقت ایک ڈرائیور نے اس کو پیار سے ڈانٹا۔ "سالے بڑا رئیس ہو گیا ہے جو یوں رعب جما رہا ہے۔ گفتی کے اگر جیبیں جھاڑ دوں گا تو کوئی دس کے نوٹ گر پڑیں گے۔" اس بات پر بڑا زور کا قہقہہ پڑا۔

"ہاں، ہاں بھئی اس کو جیب میں رکھ لے۔"

"کیا تو ہم کو اتنا گرا ہوا سمجھتا ہے، پھٹے ہوئے ٹائر کے ٹیوب۔"

سب نے مل کر اس کو خوب ڈانٹا۔ رام بلی نے آخر نوٹ جیب کے اندر ڈال لیا۔ پھر انھوں نے آپس میں چندہ کیا اور اکٹھی دس بوتلیں منگا ڈالیں۔ شراب زیادہ تھی، اس لئے سب فراخ دلی سے پی رہے تھے۔ بوتل پر بوتل کھلتی چلی گئی۔ اسی وقت کوئی ڈھولک بھی کہیں سے اٹھا لایا اور سب نے لہک لہک کر ایک پوربیا راگ چھیڑ دیا۔ نشہ کے ساتھ ساتھ راگ تیز ہوتا گیا۔ تیز اور تیز سب گلا پھاڑ پھاڑ کر بے ہنگم پن سے بھونڈی آوازیں نکال رہے تھے۔ راگ تو نہ جانے

کہاں گم ہو گیا تھا اب صرف شور و غل رہ گیا تھا۔ پھر تالیاں بجا بجا کر وہ الاؤ کے گرد جھوم جھوم کر ناچنے لگے۔ ایسی رنگ رلیاں عام طور پر وہ ہولی کی رات کو منایا کرتے تھے۔"

دیسی شراب کی پوری دس بوتلوں کا نشہ رنگ لا کر رہا۔ کسی نے مستی کی تو وہیں بے سدھ ہو کر پڑ گیا۔ کچھ بے سرے لے میں گا گا کر گالیاں بک رہے تھے کسی کو اپنے آپ کا ہوش نہیں تھا۔

رام بلی نشہ میں دھت ہو چکا تھا۔ اس نے ایک خالی بوتل اٹھالی اور بار بار اس کو ہونٹوں سے لگا کر اس طرح گردن کی رگیں پھلاتا جیسے غٹا غٹ شراب پی رہا ہے کسی نے بہکی ہوئی آواز میں کہا "لو یار یہ اپنی ماں کا یار رام بلی تو ابھی سے بہکنے لگا۔ سالا خالی بوتل سے پی رہا ہے۔"

کسی اور نے جھوم کر کہا "پی رہا ہے، پینے دو، ہاں یار پی ضرور پی، یہ گدھے کا پیشاب ضرور پی، تیری تو ــــــ! سالا بڑا شرابی بنا پھرتا ہے۔"

رام بلی لڑکھڑا کر بولا "کس .... والے نے مجھ کو گالی دی۔ میں اس کو جان سے مار دوں گا۔"

"ابے تو جان سے مارے گا، ہہ ہہ" وہ اس کی طرف ہاتھ اٹھا کر زور دار قہقہے لگانے لگا، پھر اس نے رام بلی کو طعنہ دیا "حرام کی کھا کھا کر بہت چربی چڑھ گئی ہے تو اپنے کو سمجھتا کیا ہے؟"

رام بلی نے جھپٹ کر اس کی گردن دبوچ لی۔ لیکن اس نے اس زور سے رام بلی کے پیٹ میں گھونسا مارا کہ رام بلی کے ہاتھ سے گردن چھوٹ گئی اور اس نے دونوں

ہاتھوں سے پیٹ تھام لیا۔ مگر وہ باز نہ آیا۔ اس نے رام بلی کے منہ پر کس کس کر کئی گھونسے اور جڑ دیئے۔

رام بلی لڑکھڑا کر زمین پر گر پڑا۔ ایک بار وہ اٹھا بھی، پھر گر پڑا، ذرا دیر اسی حالت میں پڑا گالیاں بکتا رہا۔ پھر وہ اس آدمی پر اچانک جھپٹا اور دونوں گتھ گئے۔ لوگوں نے شور مچانا بند کر دیا اور ان کے چاروں طرف اکٹھا ہو گئے۔ اب ہر طرف سے آوازیں آرہی تھیں:۔

"برابر کی چوٹ ہے، خبردار کوئی بیچ میں نہ بولے"

"ہاں، ہاں جی کوئی نہیں بول سکتا"

"ہے شاباش، واہ میری جان، کیا اڑنگا مارا ــــ" نشہ کی جھونک میں وہ خود بھی دھم سے گر پڑا۔

"ہے جیو، دیکھ گردن بچا کے"

"ابے لاڈ ٹنگڑی پر، او تیری ماں کا ــــ!"

دونوں بُری طرح الجھے ہوئے تھے اور چاروں طرف سے زور زور سے للکار اور گالیاں پڑ رہی تھیں۔ آخر ایک دفعہ اس آدمی نے رام بلی کی گردن کو اس طرح اپنے بازو میں دبایا کہ وہ بے بس ہو گیا اور دوسرے ہاتھ سے اس نے رام بلی کے چہرے پر تابڑ توڑ کئی زوردار ہاتھ رسید کر دیئے۔ اس بات پر چاروں طرف کھڑے ہوئے شرابی اس آدمی پر ٹوٹ پڑے اور اس کی ٹھکائی شروع ہو گئی۔

رام بلی نے لمحہ بھر کے لئے چیخ و پکار سنی اور پھر وہ بے سدھ ہو گیا۔

ابھی سویرا نہیں ہوا تھا کہ رام بلی کی آنکھ کھل گئی۔ سردی اب بہت تیز ہو گئی تھی۔

اس نے محسوس کیا کہ اس کا بدن پانی میں بھیگتا جا رہا ہے اور وہ سردی سے کانپ رہا ہے۔ اس نے جلدی سے آنکھیں پھاڑ کر دیکھا دھندلی روشنی میں ایک آدمی اس کے سامنے کھڑا پیشاب کر رہا ہے جس کی دھار اس کی کنپٹی پر گر رہی ہے، وہ گھبرا کر اٹھ بیٹھا اور اس سے ڈانٹ کر کہنے لگا: "ابے یہ کیا حرکت ہے؟ سالا منھ پر موت رہا ہے"

وہ لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں بولا: "ابے منھ پر نہ موتوں تو کیا تیرے چوتڑوں پر موتوں، یہ بھی اچھی رہی" اتنا کہہ کر وہ چند قدم آگے بڑھ کر دھم سے زمین پر لیٹ گیا۔

رام بلی اب تک پورا ہوش سنبھال چکا تھا۔ اس کا سر بے حد بھاری ہو رہا تھا، جبڑے میں درد ہو رہا تھا۔ اس نے منھ چھو کر دیکھا تو معلوم ہوا کہ اس کا ایک طرف کا رخسار پھولا ہوا ہے۔ تمام جسم بھیگی ہوئی روئی کی طرح اینٹھ رہا ہے۔ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور لڑکھڑاتا ہوا سائبان سے باہر آ گیا۔ صبح کی ہلکی دودھیا روشنی میں آ کر اس نے دیکھا کہ اس کا تمام جسم خاک میں لتھڑا ہوا ہے۔ اس نے نفرت سے گھوم کر سائبان کی جانب دیکھا اور جھومتا ہوا گھر کی جانب چل دیا۔ اس کا بہنوئی ڈیوٹی پر جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ رام بلی کو اس حالت میں دیکھا تو ہمیشہ کی طرح زور زور سے گالیاں دینے لگا وہ تو اسے اسی وقت گھر سے دھکے دے کر نکال دینا چاہتا تھا مگر بہن نے خوشامد کر کے اس کو ڈیوٹی پر بھیج دیا۔

رام بلی دن بھر چارپائی پر پڑا کراہتا رہا۔ اس کے بدن میں بڑا درد ہو رہا تھا۔ سہ پہر تک اس کو بخار ہو گیا۔ بخار کے عالم میں وہ اڈے کے ڈرائیوروں اور کلینروں کو گالیاں دیتا رہا۔ وہ اس واقعہ پر اس قدر پشیمان تھا کہ بہنوئی کے گھر میں

آتے ہی وہ جھوٹ موٹ آنکھیں بند کر کے سو جاتا۔

کئی روز بعد جب ذرا اس کی طبیعت ٹھیک ہوئی تو وہ اڈے کی طرف گیا بھی نہیں، سیدھا بس میں سوار ہو کر لکھنؤ چل دیا۔ اس کو ڈرائیور اور کلینر اب بیحد حقیر نظر آرہے تھے۔ حالانکہ ان کو رام بلی کی ناراضگی کا مطلق احساس نہ تھا۔ اس روز رات جو کچھ ہوا تھا وہ کوئی نئی بات نہ تھی۔ اڈے پر اکثر ایسے ہنگامے ہوتے تھے۔

پانچ

سردیوں کا موسم تھا۔ بازار میں ایک نئی طرح کی چہل پہل تھی۔ رام بلی جس وقت چوک کے اندر پہنچا، شام ہو چکی تھی۔ اس نے کبوتروں والی گلی کے نکڑ پر پہنچکر لوٹن سے پان کے دو بیڑے لئے اور منہ میں دبا لئے۔ لوٹن پان دے کر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ رام بلی کو اس کی یہ بے نیازی بُری معلوم ہوئی۔ کہنے لگا ــــ "ابے لوٹن تو نے مجھ کو پہچانا نہیں؟"

لوٹن نے حسب معمول روکھے پن سے کہا "ہاں جی پہچانا کیوں نہیں۔ تم رام بلی ہو نا" اور سر جھکائے پانوں پر تیز تیز ہاتھوں سے کتھا چونا لگاتا رہا۔ رام بلی جھنجھلا کر رہ گیا۔

"ابے کیا تیری جورو بھاگ گئی ہے، جو اس طرح منہ لٹکائے بیٹھا ہے"

وہ بگڑ کر بولا "دیکھو جی منہ سنبھال کر بات کرو۔"

رام بلی کو زیادہ غصہ نہیں آیا۔ خوامخواہ مسکرا کر کہنے لگا۔" اوہو، تو تو بڑا لاٹ صاحب ہو گیا ہے ۔"

اس نے پھر اسی لہجہ میں کہا" بات کرنا ہے تو ٹھیک سے بات کرو، ورنہ اپنا راستہ لو۔"

رام بلی وہاں لڑنے نہیں گیا تھا۔ اس نے سوچا۔ یہ سالا پنواڑی واقعی جوتے خور ہے۔ اس نے خوامخواہ اس کی خاطر راہو مہاراج سے جھگڑا مول لیا۔

لوٹن کی دوکان پر اس وقت بدمعاشوں کی ایک ٹولی موجود تھی۔ رام بلی جھنجھلایا ہوا جب آگے بڑھا تو ان میں سے کسی نے کہا "کون تھا جی یہ ؟"

دوسرے نے ہنس کر کہا "معلوم ہوتا ہے نیا بگڑا ہے ۔"

رام بلی نے ان کی باتیں سنیں تو سخت تاؤ آیا۔ مگر وہ اس وقت لڑنے کے موڈ میں نہیں تھا، خاموشی سے آگے بڑھتا چلا گیا اور پھر اللہ رکھی کے دروازے پر پہنچ کر زینہ میں داخل ہو گیا۔

اللہ رکھی دروازے ہی پر مل گئی۔ دیکھتے ہی ہنس کر بولی " ارے ٹھاکر تم ہو۔ کہاں رہے اتنے دن تک، اللہ قسم تم تو بڑے بے مروت نکلے۔"

رام بلی دانت نکال کر خوشی سے ہنسنے لگا۔

اللہ رکھی نے اس کو لے جا کر مسند پر بٹھایا اور مسکرا مسکرا کر باتیں کرنے لگی ۔"

"سچ کہہ رہی ہوں۔ میں نے تم کو کتنا یاد کیا۔ کئی بار ترلوکی چند سے کہا

بھی رام بلی کو اپنے ساتھ لے آنا۔ مگر وہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ ٹھاکر آتا ہی نہیں۔ سچ مچ تم بڑے بیوفا ہو۔"

رام بلی خوشی سے پھولے نہ سمایا۔

دونوں دیر تک اسی طرح باتیں کرتے رہے۔ اللہ رکھی نے باتوں باتوں میں بتایا۔ تم چلے گئے تو مجھ پر کیسے کیسے وقت پڑے۔ چوک میں اب نئے غنڈے آ گئے ہیں۔ وہ الگ اودھم مچاتے ہیں۔ پھر وہ حرافہ نکہت میرے پیچھے پڑ گئی ہے۔ اس کے ایک چہیتے نواب صاحب تھے، ایک دن وہ میرے یہاں آ گئے۔ تم ہی بتاؤ میں کوئی اس بھڑوے کو بلانے تو گئی نہیں تھی۔ بس اسی بات پر چل گئی ہے۔ اس کے کئی لگوار ہیں۔ ان کو بھیج کر کوٹھے پر بلوہ کرا دیتی ہے، کئی بار ایسی حرکت ہو چکی ہے تم ہی ذرا سوچو، اگر کسی کوٹھے پر روز جھگڑا ہو تو کتنی بدنامی کی بات ہے۔ کوئی شریف آدمی یہاں کیوں آنے لگا۔ اور تو اور تمہارے سیٹھ صاحب کے سامنے ایک دن ایسی گڑبڑ ہو گئی تو وہ کہہ رہے تھے کہ اللہ رکھی اب تمہارے یہاں آنے کا نہیں رہا وہ مسکرا مسکرا کر منہ بنا بنا کر باتیں کرتی رہی۔ رام بلی خاموشی سے بیٹھا اس کے ہلتے ہوئے لبوں کو دیکھتا رہا کہ اللہ رکھی کی مسکراہٹ میں کیا پیاری ادا ہے۔ اس کے اداس ہو جانے میں کس قدر خوبصورتی ہے۔ اس کا جی چاہا کہ وہ یونہی باتیں کرتی رہی اور وہ سنتا جائے۔

پھر اللہ رکھی نے کہا "آج تم اس حرامزادی کے لگواروں کو ذرا ڈانٹ تو دو۔ میری جان ضیق میں کر دی ہے۔"

رام بلی گردن اکڑا کر جھٹ بولا "یہ کون ہیں کون! سالوں کو میں ٹھیک کر کے

رکھ دوں گا۔ کیا وہ آج بھی آئیں گے؟"

وہ کہنے لگی "ان کا اس وقت آنا ضروری تو نہیں۔ مگر وہ نہیں۔ منجھو مرزا کے چائے خانے میں بیٹھے ہوں گے۔"

رام بلی ایک بارگی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

اللہ رکھی نے پوچھا "کہاں چلے؟"

"میں ابھی آیا، ذرا دیکھوں تو کون سے بدمعاش ہیں؟"

وہ روکتی بھی رہی، مگر وہ زینے پر کھٹ پٹ کرتا ہوا تیزی سے نیچے اتر گیا اور سیدھا منجھو مرزا کے چائے خانہ میں گھس گیا۔ اس نیم روشن اور نیچی نیچی چھت والے تنگ سے چائے خانے میں کئی آدمی بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے قہقہے لگا رہے تھے۔ رام بلی ان کے سامنے سینہ تان کے یوں کھڑا ہو گیا کہ وہ سب بونوں کی طرح حقیر نظر آنے لگے۔ رام بلی نے بڑے رعب سے پوچھا "کون ہے جی! جو روز اللہ رکھی کے کوٹھے پر جا کر بلوہ کرتا ہے۔"

وہ لوگ حیرت سے بیٹھے اس کا منہ دیکھتے رہے۔

رام بلی نے اس دفعہ گالی دے کر کہا "جس کو بڑا مان ہو آ جائے سامنے، سالوں کو شرم نہیں آتی، عورت کو جا کر ستاتے ہیں۔ بنے پھرتے ہیں بانکے۔ تمہارے بانکوں کی تو......."

ان میں سے ایک شخص جس کا جسم گٹھا ہوا تھا۔ مونچھوں پر تاؤ تھا: "اکڑ کر بولا۔"

"جو اس سالی کو ستاتا ہو اس سے جاکر کہو، یہاں ہمارے سر پر کیوں شور مچار ہے ہو، آخر یہ کہاں کی شرافت ہے؟"

رام بلی چونکہ لڑنے ہی کی غرض سے آیا تھا۔ تیوری پر بل ڈالکر بولا "کون ہے وہ سالا اپنی ماں کا یار۔ ذرا میں بھی تو دیکھوں اس کی مردانگی"

دوسرے آدمی نے جو ذرا صلح کن تھا، سمجھانے کے انداز میں کہا "تو بھائی اس کی گردن پکڑو، ہمارے سر کیوں خواہ مخواہ ہوئے جار ہے ہو؟"

رام بلی چکر میں پڑ گیا۔ لیکن وہ باز نہ آیا۔ کھڑے ہو کر برابر گالیاں بکتا رہا۔ اس دفعہ پھر گھنی مونچھوں والا اکڑ کر بولا "دیکھو جی! خواہ مخواہ نہ الجھو، ورنہ نتیجہ بہت بُرا ہوگا"

رام بلی للکار کر بولا "کیا نتیجہ بُرا ہوگا، ابھی پتہ لگے جاتا ہے"

مگر سنجو مرزا نے بات بڑھنے نہ دی۔ انھوں نے سوچا جھگڑے میں خواہ مخواہ سارا سامان ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔ یہ سالے تو لڑ بھڑ کر چلے جائیں گے۔ یہاں مفت کی چپت پڑ جائے گی۔ وہ جھٹ وہاں پہنچ گئے۔ اور رام بلی کی ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال کر بولے"

"میل جانے دو خواہ مخواہ کے جھگڑے سے کیا فائدہ"

رام بلی بگڑ کر بولا "نہیں جی، میں ذرا اس کی بانکپن دیکھنا چاہتا ہوں" پھر اس شخص کو مخاطب کر کے بولا "ابے تو جانتا نہیں کس سے بات کر رہا ہے۔ اسی چوک میں را ہو مہاراج کو ٹھوک کر مارا تھا۔ ایک کو نہیں پورے سات لٹھ بند بدمعاشوں کو نہتے اور اکیلے دم پر مارا تھا۔

سنجھو مرزا کہنے لگے "ٹھاکر صاحب آپ بھی کیسی بات کرتے ہیں، چوک میں آپ کو کون نہیں جانتا۔ بچہ بچہ پہچانتا ہے، یہ لونڈے ہیں آپ خوامخواہ ان کے منہ لگ رہے ہیں۔"

رام بلی آپے سے باہر ہوئے جا رہا تھا، کہنے لگا "مرزا جی آپ سمجھا دیجئے ان کو اب جو انھوں نے اللہ رکھی کے یہاں جا کر اودھم مچایا تو چوک میں لاشیں گر جائیں گی۔ ایک ایک کو گھر میں گھس کر ماروں گا۔"

ان سب کو غصہ تو بہت آیا مگر پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔ اس لئے رام بلی کا نام سن کر وہ واقعی دھونس کھا گئے تھے۔ باوجودیکہ رام بلی چوک میں عرصہ بعد آیا تھا۔ مگر اس بازار کے دوکانداروں اور بالاخانوں پر جب کبھی بدمعاشوں کا ذکر آتا تو رام بلی کے جیالے پن کے بارے میں طرح طرح کے قصے سنائے جاتے۔ ہر شخص یہی کہتا "صاحب ایسا جی دار آدمی تو دیکھنے میں نہیں آیا۔ بڑے بڑے غنڈوں کا اس کے سامنے پیشاب خطا ہو گیا۔" کچھ یہی وجہ تھی کہ وہ سہمے ہوئے چپ چاپ بیٹھے رہے۔

سنجھو مرزا نے رام بلی کو سمجھا بجھا کر واپس بھیج دیا۔ رام بلی لوٹتے ہوئے سوچنے لگا چلو سستے چھوٹ گئے جھگڑا فساد ہو جاتا تو خواہ مخواہ چوٹ چپیٹ آ جاتی۔ سانپ بھی مر گیا اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹی۔

اللہ رکھی اس کو دیکھ کر کہنے لگی "ٹھاکر تم نے تو کمال کر دیا۔ میری بات بھی نہیں سُنی اور چل دیئے۔"

وہ روٹھے ہوئے انداز میں بولا "پہلے تو خون کھولا دیا، اب کہتی ہو کہ چلے کیوں گئے؟"

"اے ہے! جتنی دیر تم وہاں رہے میرا دل تو دھڑ دھڑ کتا رہا کہ کہیں بات نہ بڑھ

جائے۔"

رام بلی بولا: "بات بڑھ جاتی تو کیا ہوتا، وہ سب سالے ہیجڑے تھے میں نے ہزاروں گالیاں دیں، کان دبائے بیٹھے رہے۔ ساری بدمعاشی ابھی نکال کر رکھ دیتا۔ وہ تو مرزاجی نے ٹھوڑی میں ہاتھ ڈال دیا۔ بوڑھا آدمی ہے۔ اس کی بات ماننا پڑی۔ ورنہ میں تو ابھی دو چار کی ہڈیاں پسلیاں توڑ تاڑ کر رکھ دیتا۔"

وہ اسی طرح بیٹھا بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا رہا اور اللہ رکھی مسکرا مسکرا کر بڑھاوا چڑھاوا دیتی رہی، اسی خاص ادا اور لگاوٹ کے ساتھ جو رام بلی کو بہت بھلی لگتی تھی وہ دیر تک باتیں کرتے رہے، پھر مجرے کا وقت ہو گیا۔ اللہ رکھی نے لباس تبدیل کیا اور ناچ گانے کی محفل جم گئی۔ رات گئے تک خوب ہنگامہ رہا۔

رام بلی نے اللہ رکھی سے کمبل لیا اور باورچی خانہ کے پاس والی کوٹھری میں جا کر سو گیا۔ وہ دیر تک بے خبر سوتا رہا۔ نہ معلوم کتنی رات بیت چکی تھی کہ کسی کے قدموں کی آہٹ سے اچانک رام بلی کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اندھیرے میں کوئی گہری گہری سانسیں بھر رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر پوچھا "کون ہے؟"

"کوئی نہیں، میں ہوں" یہ اللہ رکھی کی آواز تھی۔

رام بلی نے پوچھا "کیوں، کیا ہوا، اس وقت کیسے ادھر آ گئیں؟"

وہ اس کے پائنتی بیٹھ گئی اور آہستہ آہستہ کہنے لگی "اٹھا کر، مجھ کو بڑا ڈر لگ رہا ہے۔"

رام بلی نے پوچھا "کیوں؟"

وہ بتلانے لگی " میں نے سنا ہے کہ تم نے جوان لوگوں کو جاکر گالیاں دی تھیں، اب وہ اپنی بے عزتی کا انتقام لینے کے لئے تمہارے خلاف سازش کر رہے ہیں "

رام بلی لاپرواہی سے بولا " وہ سالے بیچارے کیا بدلہ لیں گے ؟"

اللہ رکھی کہنے لگی " نہیں ٹھاکر، وہ میرے گھر کا چھوکرا بنو ہے نا، بھت کی طرف گیا تھا بلکہ سچ پوچھو تو میں نے خود بھیجا تھا کہ ذرا سن گن لے کر آئے کہ اب وہ مال زادی کیا کر رہی ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ وہ سب وہاں اکٹھے تھے، بڑے غصے میں تھے۔ تم کو گالیاں دے رہے تھے "

رام بلی بولا " تم رنڈیوں کی یونہی باتیں چلتی ہیں۔ جاؤ جا کر سوؤ، بے کار نیند نہ خراب کرو "

وہ ٹھنک کر کہنے لگی " مجھ کو تو بڑا ڈر لگ رہا ہے "

اللہ رکھی کا جسم رام بلی کے جسم سے ملا ہوا تھا۔ رام بلی کو بڑی الجھن معلوم ہو رہی تھی اکتا کر بولا " اچھا اب نیند خراب نہ کرو، جا کر سو جاؤ جو کچھ ہو گا، دیکھا جائے گا "

اس کو بیزار دیکھ کر اللہ رکھی اٹھ کر باہر چلی گئی۔ رام بلی کمبل تان کر پھر سو گیا۔

چھ!

دوسرے دن دوپہر کو ہی وہ کھولی چلا گیا۔

ابھی وہ سفر کی تکان بھی دور کرنے نہ پایا تھا کہ ترلوکی چند کا آدمی اس کو بلانے آ گیا۔ رام بلی با دل ناخواستہ ترلوکی چند کے پاس پہنچ گیا۔

ترلوکی چند کہنے لگا: "تم خوب وقت پر آئے، میں تمہارا انتظار ہی کر رہا تھا۔"

رام بلی نے پوچھا: "سرکار، کیا کوئی خاص بات ہو گئی؟"

وہ بولا: "ہاں کچھ ایسی ہی بات ہے، جو تمہاری اتنی ضرورت پڑی۔" اتنا کہہ کر وہ کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ کمرے کے اندر خاموشی چھا گئی۔

ذرا دیر بعد ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ ترلوکی چند نے رسیور اٹھایا اور باتیں کرنے لگا۔

"ہیلو باجپئی، کیا خبر ہے؟"

"پریشانی کی کوئی بات نہیں، میں نے سب بندوبست کر لیا ہے۔"

"اچھا تو وہ مان گیا، چلو یہ بھی اچھا ہوا۔"

"دس ہزار تک تیار ہو جائے گا، اگر ایسا ہے تو طے کر لو۔"

"یہیں آرہے ہو، یہ تو سب سے اچھی بات ہے۔"

"نہیں اب اس کا موقع نہیں، اس مسئلہ پر یہیں بات کریں گے۔"

"میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں، فوراً پہنچو۔"

اس نے ریسیور اٹھا کر رکھ دیا۔ اب اس کے چہرے پر اطمینان تھا۔ رام بلی سے ہنس کر کہنے لگا "جاؤ تم جا کر اب سو جاؤ۔ شاید تمہاری ضرورت نہیں پڑے گی۔"

رام بلی اس وقت چاہتا بھی یہی تھا، خوشی خوشی واپس چلا گیا۔

ترلوکی چند نے سگار سلگایا اور باجپئی کا انتظار کرنے لگا۔ باجپئی یوں تو کارخانے میں اسٹور کیپر کا کام کرتا تھا۔ مگر آدمی ذرا تیز اور معاملہ فہم تھا۔ اس لئے جب کبھی کوئی خاص الجھن در پیش ہوتی تو وہ ایسے کاموں کے لئے ہمیشہ اس کی ذہانت سے فائدہ اٹھاتا تھا۔

آج شام کو بھی اس نے باجپئی کو ایک اہم کام کے لئے بھیجا تھا اور وہ اہم کام تھا کہ حکومت کی نئی منصوبہ بندی کے تحت کھولی کے لئے بھی بجلی فراہم کرنے کا بندوبست کیا جا رہا تھا لیکن ترلوکی چند چاہتا تھا کہ یہ اسکیم کامیاب نہ ہو۔ اس کا مطلب یہ ہوتا کہ قصبہ میں ایک نیا پاور ہاؤس تعمیر ہو جاتا جو سرکاری ریٹ پر سستی بجلی سپلائی

کرتا۔ اور اب تک ترلوکی چند اپنے جنریٹر سے جو بجلی سپلائی کر رہا تھا وہ بند کر دی جاتی اس طرح اس کا جنریٹر بے کار ہو جاتا جو اس نے ۸۰ ہزار روپیہ صرف کر کے لگوایا تھا انہی دنوں ترلوکی چند کو یہ اطلاع ملی کہ پاور ہاؤس کی تعمیر کے سلسلے میں ایک انجینئر اپنے عملہ کے ساتھ کھوئی پہنچ چکا ہے۔ اس کا قیام سرکاری ریسٹ ہاؤس میں تھا۔ ترلوکی چند نے سوچا کہ معاملہ کا سارا دارومدار اس کی رپورٹ پر ہے۔ اگر اس نے مخالفت کر دی تو اسکیم کئی سال کے لئے التوا میں پڑ جائے گی۔ اس لئے پہلے تو اس نے یہ کوشش کی کہ وہ اس کی کوٹھی پر آکر ٹھہر جائے۔ مگر جب وہ اس کے لئے راضی نہ ہوا تو اس نے باجپئی کو بھیجا مگر وہ بے حد خشک آدمی نکلا۔ جب بھی باجپئی نے معاملہ کی بات چھیڑی، وہ فوراً دوسرا ذکر چھیڑ دیتا۔ کئی روز سے یہی سلسلہ چل رہا تھا، اور اس کا عملہ برابر سروے میں مصروف تھا۔ ترلوکی چند کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی، آخر میں اس نے زچ ہو کر سوچا کہ رام بان سے کام لیا جائے۔ انجینئر کو مار دیا گیا تو بہت ممکن ہے دوسرا انجینئر آئے تو اس سے کچھ نہ کچھ کام چل جائے اور نہیں تو کم از کم کچھ عرصہ کے لئے یہ جھنجھٹ تو ٹل ہی جائے گا۔ لیکن سرکاری آدمی کا معاملہ تھا اس لئے اس خطرناک کام کو کرتے ہوئے ترلوکی چند ہچکچا رہا تھا۔

باجپئی کی اطلاع نے جیسے اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتار دیا تھا اس کو زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا ہی دیر بعد کوٹھی کے باہر سڑک پر موٹر کا ہارن سنائی دیا۔ ترلوکی چند اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

وہ انجینئر کو لینے دروازہ تک گیا۔ باجپئی اس کے ہمراہ تھا۔ دونوں آکر

کمرے میں صوفے پر بیٹھ گئے۔ ترلوکی چند نے وھسکی کی بوتل منگوائی کہ باتوں کے ساتھ ساتھ اس کا بھی دور چلتا رہے۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔

تھوڑی دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر ترلوکی چند حرف مطلب زبان پر لاتے ہوئے کہا "مسٹر دوبے آپ ہی دھرم سے بتائیے کہ کیا ایسے چھوٹے سے قصبے کے لیے لاکھ، سوا لاکھ روپیہ لگا کر بجلی گھر بنانا مناسب ہوگا۔ اتنا روپیہ تو حکومت اور کسی کام پر صرف کرے تو اچھا ہے۔"

انجینئر تجربہ کار آدمی تھا، بات کے شروع ہی میں وہ اپنی اہمیت کم کرنے کا قائل نہ تھا۔ اس نے فوراً اختلاف کیا۔ کہنے لگا "مسٹر ترلوکی چند، آپ کی رائے سے میں اتفاق نہیں کروں گا، یہ تو پندرہ ہزار آبادی کا قصبہ ہے۔ میں نے تو یورپی ممالک میں چھوٹے چھوٹے دیہاتوں تک کو بجلی سے جگمگاتے دیکھا ہے"

ترلوکی چند بولا "آپ بھی کیا بات کرتے ہیں، کہاں یورپ کہاں ہمارا ملک ابھی تو اس اسٹیج پر پہنچنے کیلئے ایک صدی لگے گی۔ اس وقت آپ کا یہ سوچنا مناسب ہوگا۔"

وہ مسکرا کر بولا "مسٹر ترلوکی چند یہ سائنس کا زمانہ ہے۔ آپ لوگوں کو زیادہ دیر تک اندھیرے میں نہیں رکھ سکتے۔ وہ روشنی بھی مانگیں گے، پانی بھی مانگیں گے، ہر وہ چیز مانگیں گے جو ان کو چاہئے ہے۔"

ترلوکی چند سٹ پٹا سا گیا۔ لیکن باجپئی نے فوراً سہارا دیا، کہنے لگا "بحث کا یہ موقع نہیں، اب کچھ کام کی بات ہو جائے، رات خاصی ہو چکی ہے۔"

ترلوکی چند جھٹ سے بولا "چیک ٹھیک رہے گا یا آپ مناسب سمجھے تو کیش

کا بھی بندوبست ہو جائے گا، مطلب یہ ہے کہ رپورٹ میں اس اسکیم سے قطعی اختلاف کیا جائے۔"

دوبے کہنے لگا: "ابھی روپے کی ضرورت نہیں، پہلے کچھ کام تو ہو جانا چاہیئے اس وقت تو میں اسلئے آیا تھا کہ آپ سے ملاقات ہو جائے۔"

ترلوکی چند ہنسنے لگا: "بڑی کرپا کی آپ نے۔ میں تو چاہتا تھا کہ آپ یہیں آکر ٹھہرتے مگر نہ جانے آپ نے کیوں یہ بات منظور نہیں کی۔"

دوبے بولا: "نہیں سیٹھ صاحب، کوئی خاص بات نہیں تھی، بس یونہی نہیں آیا۔"

اس کے بعد وہ کچھ دیر وہاں اور بیٹھا اور رخصت لے کر چلا گیا۔ باجپئی بھی اس کو چھوڑنے کی غرض سے چلا گیا۔ جب دونوں باہر چلے گئے تو ترلوکی چند نے آہستہ سے میز کی دراز کھولی، اس میں سے ریوالور نکالا اور اس کو لئے ہوئے کوٹھی کے اندر چلا گیا۔

سات

ابھی رات زیادہ نہیں گزری تھی۔ رام بلی قصبہ سے لوٹ رہا تھا اور تیز تیز قدم بڑھاتا ہوا اپنے کوارٹر کی جانب جا رہا تھا کہ بارش آنے سے پیشتر ہی اپنے ٹھییے پر پہونچ جائے۔ ایکا ایکی بادل زور سے گرجے اور موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں اس وقت وہ رانی بوا کے بنگلہ کے پاس تھا کہیں اور جانے کا موقع نہ تھا۔ لہٰذا وہ بنگلہ کے بیرونی ویرانڈے میں بارش سے بچنے کیلئے ٹھہر گیا۔

ویرانڈے میں اندھیرا تھا۔ ہوا درختوں میں شور مچاتی ہوئی چل رہی تھی۔ رام بلی سردی سے سکڑا ہوا دیوار سے ٹیک لگائے اُمڈ اُمڈ کر برستی ہوئی بدلیوں کو دیکھ رہا تھا۔ بنگلہ کے اندر دھندلی دھندلی روشنی پھیلی ہوئی تھی مگر وہاں بالکل سناٹا تھا، نہ کوئی آہٹ، نہ کوئی آواز۔ رانی بوا غالباً اب سو

چکی تھیں)۔

بارش لگاتار ہوتی رہی، یخ بستہ ہواؤں کے جھکڑ چلتے رہے۔ ایکا ایکی برابر والے کمرے کی کھڑکی کھلی اور کسی نے سردی سے ٹھٹھرتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

"یہ ویرانڈے میں کون کھڑا ہے؟"

رام بلی نے مڑ کر اس طرف دیکھا، کھڑکی پر اس کو رانی بوا کا چہرہ نظر آیا۔ وہ کہنے لگا "یہ کوئی نہیں رانی بوا، بارش پڑ رہی تھی، سو میں یہاں آ گیا"

وہ حیرت سے بولیں "ارے رام بلی تو ہے۔ نہ ہاں اندھیرے میں کیوں کھڑا ہے، اندر آ جا"

اتنا کہہ کر انھوں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ تھوڑی دیر میں آبنوسی جسم والا رام بلی ان کے سامنے موجود تھا۔ سردی کے مارے اس کے سر کے خشک بال کھڑے ہو گئے تھے موٹے موٹے ہونٹ کپکپا رہے تھے۔ وہ کہنے لگیں

"ارے! تو تو معلوم ہوتا ہے کہ بھیگ بھی گیا ہے، چل دوسرے کمرے میں چل"

رام بلی پالتو کتے کی طرح چپ چاپ ان کے ہمراہ چل دیا۔ اس کمرے میں ہلکی ہلکی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ آتش دان میں کوئلے دہک رہے تھے۔ کمرہ خوب گرم تھا۔ رام بلی کو اس کمرے میں بڑا سکون محسوس ہوا۔ رانی بوا آتشدان کے پاس پڑی ہوئی ایک لمبی سی کرسی پر جا کر بیٹھ گئیں۔ رام بلی ابھی تک خاموش کھڑا تھا۔ وہ کہنے لگیں۔

"ارے کھڑا کیوں ہے، یہیں آتشدان کے پاس بیٹھ جا"

رام بلی وہیں آتشدان کے قریب فرش پر بیٹھ گیا۔ اور لوہے کی سلاخ اٹھا کر دہکتے ہوئے انگاروں کو کرید نے لگا۔ رانی بوا کچھ تھکی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ ذرا دیر وہ خاموش بیٹھی رہیں۔ پھر انھوں نے رام بلی سے پوچھا: "رام بلی ایک بات تو بتا۔ میں نے سنا ہے کہ تو شراب پیتا ہے۔"

رام بلی اپنے غلیظ دانت نکال کر بدتمیزی سے ہنسنے لگا۔

وہ بگڑ کر بولیں "رام بلی تب تو بہت برا ہے" پھر انھوں نے یقین نہ آنے کے سے انداز میں استفسار کیا۔ "سچ رام بلی تو شراب پیتا ہے۔"

رام بلی صاف گو آدمی تھا، کہنے لگا: "دارو ملتی کہاں ہے، جو پیوں، پر ٹھنڈائی کا ایک آدھ گلاس روز ضرور چڑھا لیتا ہوں۔"

ان کو اس کی یہ سادگی بڑی عجیب معلوم ہوئی۔ مسکراہٹ کو ہونٹوں میں دبائے ہوئے کہنے لگیں "تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ مل جائے تو تو ضرور پی لے گا۔"

رام بلی نے سوچا کہ اتنے اچھے موسم میں اگر تھوڑی سی پینے کو مل جائے تو ٹھاٹھ ہو جائیں، کہنے لگا: "رانی بوا، اس وقت دارو کی بات نہ کرو، کیا بڑھیا موسم ہو رہا ہے۔"

رانی بوا اس کی اس بے تکلفی پر ذرا بھی ناراض نہ ہوئیں، خاموش بیٹھی اس کے چہرے کی جانب دیکھتی رہیں، جس پر اب نئی چمک ابھر آئی تھی۔ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک بے چین معلوم ہو رہی تھیں۔ اس نے لوہے کی سلاخ اٹھائی اور خواہ مخواہ کوئلوں کو کرید نے لگا۔

انگارے اب خوب دہک رہے تھے۔ ان کے تیز تیز شعلوں سے کمرے

کی خاموش فضا میں ہر طرف جھلکتی ہوئی سُرخ روشنی پھیل گئی تھی۔ رانی بوا کو اس کی یہ بے چینی بڑی دلچسپ معلوم ہوئی، کہنے لگیں۔

"اس وقت تجھ کو شراب مل جائے تو؟"

رام بلی کو جیسے ان کی بات پر یقین نہ آیا: "رانی بوا!" پھر خود ہی نا امید ہو کر بولا "یہاں شراب کیسے مل سکتی ہے؟"

وہ ہنسنے لگیں "اور جو مل جائے!"

وہ امید اور ناامیدی کے عالم بولا "مذاق نہ کرو رانی بوا!"

انھوں نے کہا "اچھا تو تجھے کیا یاد کرے گا کہ رانی بوا کے بنگلہ پر گیا اور تیری خاطر نہ ہوئی" اتنا کہہ کر وہ کھڑی ہو گئیں، اور اس سے بولیں "میں ابھی آئی" پھر وہ کمرے سے باہر چلی گئیں۔

رام بلی بڑی بے چینی سے ان کا انتظار کرتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد وہ کمرے میں آئیں۔ ان کے ہاتھ میں برانڈی کی بوتل تھی۔ ٹرے میں گلاس رکھا تھا اور ایک طشتری میں مٹھائی کے چند ٹکڑے اور تھوڑی سی دال موٹھ رکھی تھی۔ رام بلی خوشی سے اچھل پڑا۔

"ارے واہ!" اور بے خودی میں بے خود ہو کر کے زور سے ہنسنے لگا اور جب رانی بوا نے ساری چیزیں اس کے سامنے لا کر رکھ دیں تو وہ جوش میں آ کر اس نے نعرہ لگایا۔

"رانی بوا کی جے!"

انھوں نے اس کو فوراً ڈانٹا "شور مت مچا، برابر والے کمرے میں

منوہر سو رہا ہے، اس کی آنکھ کھل جائے گی یہ شراب کا رسیا رام بلی اپنی غلطی پر نادم ہو کر کہنے لگا "بڑی غلطی ہو گئی رانی بُوا، پر یہ بوتل آئی کہاں سے؟"

وہ برانڈی کی بوتل کو ہاتھ میں لے کر اس کے لیبل کو پڑھنے کی ناکام کوشش کرنے لگا "بڑی بڑھیا شراب لگتی ہے۔"

وہ بولیں "برانڈی ہے برانڈی" پھر وہ رازدارانہ انداز میں کہنے لگیں "یہ کسی سے کہنا مت، تمہارے بڑے سیٹھ جی کو اس کا بڑا شوق تھا انھیں کی کچھ بوتلیں ابھی تک پڑی ہیں۔"

رام بلی نے جھٹ سے پوچھا "ابھی اور بھی ہیں؟"

وہ بولیں "کیوں نہیں! بڑا تو بڑا رنگیلا آیا۔ جیسے معلوم ہوتا ہے کہ سب تیرے ہی لئے میں نے رکھ چھوڑی ہیں۔"

رام بلی کھسیانی ہنسی ہنسنے لگا۔ اس نے اپنے مضبوط دانتوں سے بوتل کھولی تھوڑی سی برانڈی گلاس میں ڈالی اور ایک ہی گھونٹ میں غٹا غٹ چڑھا گیا

رام بلی جھوم جھوم کر برانڈی پیتا رہا۔ رانی بوا کرسی پر نیم دراز لیٹی خوابناک نظروں سے رام بلی کی ہر حرکت کا جائزہ لے رہی تھیں۔ آتشدان میں کبوتر کے خون سے لال لال انگارے دہک رہے تھے۔ باہر درختوں میں ہوا چیختی ہوئی چل رہی تھی۔ بارش ابھی جاری تھی۔ بلانوش رام بلی نے فرانسیسی برانڈی کی پوری بوتل دیکھتے ہی دیکھتے ختم کر دی۔ ذرا دیر خواہ مخواہ آگ کریدتا رہا۔ پھر اٹھ کر کھڑا ہو گیا

"اچھا رانی بُوا اب میں چلوں گا۔"

وہ بولیں "مینہ تو بند ہو جانے دے۔ کوارٹر تک جاتے جاتے بھیگ کر

پوٹا ہو جائے گا۔"

رام بلی نے جانے کے لئے اصرار نہیں کیا۔ خاموشی سے جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ گیا۔ رانی بوا بولیں۔

"رام بلی! ایک بات میں نے غور کی۔ تو نے پوری بوتل چڑھا لی مگر تو ذرا نہیں بہکا۔ بڑا زبردست شرابی معلوم ہوتا ہے۔"

وہ بولا "سرکار، اپنا اس ولایتی شراب سے کہاں کیطا ہوتا ہے؟" ہم تو دیسی ٹھرّا پینے والے ہیں۔ اپنے کو تو اسی سے نشہ ہوتا ہے۔" رانی بوا ہنسنے لگیں۔

"کہنا تو تو ٹھیک ہے۔ بڑے سیٹھ صاحب جب پیتے تھے تو بڑا اودھم مچاتے تھے۔ گھر کے نوکروں کی تو مٹیا مر کر رہ جاتی تھی، یہ توڑ، وہ پھوڑ کسی پر چلّا رہے ہیں۔ کسی کو مار رہے ہیں۔ میری تو سب سے زیادہ مصیبت آجاتی تھی، کبھی تو میری گود میں سر ڈالے بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں، تو کبھی بدن کے سارے کپڑے نوچ نوچ کر پھینک دیتے تھے۔ مرنے سے کچھ دنوں پہلے تو ان میں ایک اور بُری عادت پیدا ہو گئی تھی پی کر بڑی ننگی ننگی حرکتیں کرتے تھے۔ کتے کی طرح جہاں موقع ملا گوشت پر دانت گاڑ دیئے۔ ایک بار تو میری کمر پر انھوں نے اس زور سے کاٹا کہ خون نکل آیا۔"

اتنا کہہ کر انھوں نے بلاؤز سرکا کر اپنی ننگی کمر رام بلی کے سامنے کر دی۔ جلد پر ابھی تک دانتوں کا سیاہی مائل بھورا سا نشان موجود تھا۔

رام بلی نے ان کی برہنہ جلد کو دیکھا تو اس کو وہ رات یاد آگئی جب وہ

غسل خانے کی کھڑکی پھاند کر اس بنگلہ میں آیا تھا۔ اس خیال کا آنا تھا کہ ایک ایک بات اس کی آنکھوں کے سامنے پھر گئی۔ پھر اس کو رانی بوا کا برہنہ جسم پر گنگا جلی سے پانی چھڑکنا بھی یاد آ گیا وہ کانپ کر رہ گیا۔ اس نے جھک کر رانی بوا کے پیر پکڑ لیئے اور گڑگڑا کر کہنے لگا۔

"رانی بوا! میں بہت پاپی آدمی ہوں، مجھ سے بڑی غلطی ہو گئی۔"

وہ گھبرا کر رہ گئیں، پھر ذرا سنبھل کر اپنے پیروں پر سے اس کو اٹھایا۔ اب وہ نشہ میں دھت تھا، اس کی آنکھیں چڑھی ہوئی تھیں۔ اور جسم بے قابو ہوئے جا رہا تھا انھوں نے اس ڈانٹ کر کہا۔

"ارے تو تو بہکنے لگا۔ یہ کیا واہی تباہی بکنے لگا۔"

رام بلی اب ذرا سنبھل چکا تھا۔ اس نے زبان سے تو ایک لفظ نہ نکالا اور گہری نظروں سے رانی بوا کو دیکھنے لگا۔ آتشدان کے دہکتے ہوئے انگاروں میں ان کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ گردن پر ہلکی ہلکی نیلی رگیں، گٹھے ہوئے جسم پر چیسٹ بلاؤز اس وقت وہ اس کو بڑی اچھی لگیں۔ وہ ان کو یونہی گھورتا رہا۔ رانی بوا نے کئی بار اس کی طرف نظریں اٹھائیں، مگر وہ رام بلی کی تیز نگاہوں کی تاب نہ لا سکیں۔

ایکا ایکی رام بلی نے نہ جانے کیا سوچا کہ وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور رانی بوا نے ٹوک کر کہا "کہاں جا رہا ہے؟"

وہ نشہ میں ڈوبی ہوئی آواز میں بولا "اب جا کر سوؤں گا۔"

"یہیں سو جا، سویرے چلے جانا۔ مینہ بہت تیز برس رہا ہے۔"

وہ جھوم کر بولا "برسنے دو، یہاں نہیں سوؤں گا۔ ڈر معلوم ہوتا ہے"
وہ حیرت زدہ ہو کر بولیں "ڈر معلوم ہوتا ہے کس سے؟"
وہ بہک کر بولا "تم سے۔ تم سے رانی جی ـــــــ" بقیہ جملہ اس کے حلق ہی میں رہ گیا۔
وہ نشہ کی جھونک میں لڑکھڑا کر گرتے گرتے بچا۔ اس کی ٹانگیں درختوں کی شاخوں کی طرح جھول رہی تھیں۔
رانی بوا کہنے لگیں "تو تو واقعی بہکنے لگا ہے۔ مجھ سے کیوں ڈر معلوم ہوتا ہے"
وہ تیوری پر بل ڈال کر بولا "تم بہت خطرناک عورت ہو"
وہ سادگی سے مسکرانے لگیں۔ رام بلی کھڑا ان کو بڑی تیکھی نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہی دمکتا ہوا لال بھبوکا چہرہ، وہی گردن کی نیلی نیلی رگیں، وہی بھرا بھرا جسم۔ وہ لڑکھڑاتا ہوا ان کے قریب چلا گیا۔ اور ان پر جھک کر بولا "رانی جی" اور اس نے ان کا شانہ اس زور سے اپنے کھردرے مضبوط ہاتھوں سے دبایا کہ ان کی ہلکی سی چیخ نکل گئی۔ وہ سہمی ہوئی آواز سے بولیں۔
"ارے میرا کندھا تو چھوڑ"
لیکن لحیم شحیم رام بلی، جس کا کالا کلوٹا بدن انگاروں کی تیز روشنی میں اور بھی زیادہ سیاہ فام نظر آرہا تھا، وہ وہاں سے نہ ہٹا۔ کئی بار رانی بوا کی گھٹی ہوئی آواز ابھری، اور پھر وہ خاموش ہو گئیں۔
باہر طوفانی ہوا چیختی ہوئی چل رہی تھی۔ موسلا دھار بارش کے قطرے

درختوں کے پتّوں پر ٹپ ٹپ کر کے گر رہے تھے۔ بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔

سویرا ہونے سے کچھ دیر پہلے منوہر کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے اٹھ کر ماں کی مسہری کی طرف دیکھا، ان کو وہاں نہ پا کر پانچ برس کا لاڈلا منوہر زور زور سے رونے لگا اچانک برابر والے کمرے کا دروازہ کھلا اور رانی بوا اپنے کمرے میں آ گئیں۔ رام بلی بھی اسی وقت اٹھ کر اپنے کوارٹر کی طرف چل دیا۔ بارش بھی اب تھم گئی تھی، لیکن آسمان میں چاروں طرف بادل گھرے ہوئے تھے پُروا بڑے زوروں سے چل رہی تھی۔ سردی کے مارے اس کے دانت بجنے لگے۔

تمام دن وہ کچھ پریشان سا رہا۔ اس پریشانی کے عالم میں اس نے بھنگ کے کئی گلاس چڑھائے۔ اس طرح پریشانی تو کم نہیں ہوئی۔ البتہ نشہ کی دھن میں اس نے بڑی دلچسپ حرکتیں کیں۔ اپنے گالوں پر زور زور سے طمانچے مارے۔ دھاڑیں مار کر خوب رویا۔ کہیں سے رسی ڈھونڈ کر نکالی اور اس کو پنڈلی پر باندھ کر اس قدر جکڑا کہ اس کی چیخ نکل گئی۔

شام تک وہ ایسی ہی احمقانہ سزائیں اپنے لئے تجویز کرتا رہا۔ پھر اس نے خود ہی سوچا کہ سب سے اچھا طریقہ تو یہ ہے کہ وہ رانی بوا کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لے۔ کچھ یہی سوچ کر وہ ان کے بنگلہ کی طرف چل دیا۔

ابھی سر شام ہی تھی۔ اس نے احاطہ کو عبور کیا اور خوف زدہ سا چھا کر ویرانڈے میں کھڑا ہو گیا۔ ذرا دیر بعد اس نے ڈرتے ڈرتے دروازے پر دستک دی۔ اندر سے کوئی آواز نہ آئی۔ وہ سہما ہوا کھڑا رہا چند لمحوں بعد

اس نے پھر دروازہ کھٹکھٹایا، کسی نے کھڑکی کھولی، مگر اس سے کچھ پوچھا نہیں البتہ ذرا دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ وہ سر جھکائے ہوئے کمرے کے اندر داخل ہو گیا۔ پھر اس نے سنا رانی بوا کہہ رہی تھیں۔

"معلوم ہوتا ہے، آج پھر تم کو شراب کی طلب ستا رہی ہے۔"

رام بلی کو ان کی اس بات پر بڑا تعجب ہوا۔ نہ تو وہ اس پر بگڑیں، نہ اس کو بنگلہ سے دھکے دے کر نکالنے کی دھمکی دی بلکہ وہ تو شراب پلانے کے موڈ میں معلوم ہوتی تھیں۔ پھر بھی رام بلی نے ڈرتے ڈرتے ان کی طرف دیکھا۔ لیکن رانی بوا اس سے نظریں نہ ملا سکیں.... صرف اتنا کہہ کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

"رام بلی تم یہیں بیٹھو میں تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔"

وہ کمرے میں ایک طرف جا کر خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس کمرے میں اندھیرا تھا البتہ برابر والے کمرے میں روشنی ہو رہی تھی جس کی شعاعیں کھڑکی کے شیشوں سے چھن چھن کر اندر آ رہی تھیں۔ وہ اس نیم تاریک کمرے میں بیٹھا رانی بوا کا انتظار کرتا رہا۔ ان کی آواز دور سے سنائی پڑ رہی تھی، وہ کسی سے اونچی آواز میں باتیں کر رہی تھیں۔

بہت دیر بعد رانی بوا واپس آئیں۔ مگر وہ اندر نہ آئیں۔ دروازے میں سے جھانک کر بولیں "اس کمرے میں آجاؤ" وہ اٹھ کر اس طرف چلا گیا۔ یہ وہی کل والا کمرہ تھا۔

آتش دان روشن تھا۔ انگارے دہک رہے تھے۔ وہیں ایک چھوٹی

سی میز پڑی تھی، جس پر برانڈی کی بوتل اور کچھ چیٹ پٹے کھانے کا سامان رکھا تھا۔

وہ حسب معمول فرش پر بیٹھنے لگا تو رانی بوا نے ڈانٹ کر کہا: "وہاں کیوں بیٹھ رہا ہے، آ ادھر کرسی پر بیٹھ جا!" وہ سحر زدہ انسان کی طرح میز کے سامنے رکھی ہوئی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ پھر رانی بوا نے اس سے شراب پینے کیلئے کہا اور اس نے بوتل کھول کر گلاس پر گلاس خالی کرنا شروع کر دیئے۔ رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس روز بھی وہ صبح کاذب کے دھندلکے میں سردی سے کپکپاتا ہوا واپس لوٹا۔

اب اکثر رات کے سناٹے میں رانی بوا کے بنگلہ کے اندر رام بلی کی آواز سنائی دیتی۔

آٹھ!

ترلوکی چند ان دنوں ایک نئی اسکیم بنا رہا تھا، لہٰذا وہ رام جی کی طرف سے بالکل بے نیاز ہو گیا تھا۔ یوں بھی عام طور پر وہ اس کو کسی خطرناک موقع پر ہی یاد کرتا تھا۔

جب سے کارخانے میں ہڑتال ہوئی تھی، وہ مزدوروں کی جانب سے بہت محتاط ہو گیا تھا۔ اس نے اپنے ایجنٹ چھوڑ رکھے تھے جو ایک ایک بات کی آ کر مخبری کرتے تھے۔ یونین کا آفس تو اس نے جلوا ہی ڈالا تھا، اور جن لوگوں نے ہڑتال میں آگے بڑھ کر حصّہ لیا تھا، ان میں سے بعض کو اس نے مزدوری بڑھا کر اور دوسری مراعات دے کر اپنی "گڈ بک" میں کر لیا تھا، جن سے اس کو خطرہ تھا، ان کی اس نے کڑی نگرانی شروع کرا دی تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ اب کسی طرح کارخانے میں ہڑتال

نہ ہو۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ ایک بار بھی قلیوں نے اپنے مطالبات منوا لئے تو اس طرح ان کی ہمت بڑھ جائے گی اور وہ روز ہڑتال کرنے کی دھمکیاں دیتے رہیں گے۔ اپنی بات منواتے رہیں گے۔

یونین کو ختم کرنے کے لئے اس نے پہلا کام تو یہ کیا کہ ان میں پھوٹ ڈلوادی۔ اس نے ان کو دو گروہوں میں کر دیا۔ ایک گروہ تو ان لوگوں کا تھا جن میں زیادہ تر قصبہ ہی کے رہنے والے تھے۔ دوسرا گروہ ان لوگوں کا تھا، جو دوسرے علاقوں سے آئے تھے، دونوں گروہوں میں اس کے خاص آدمی کام کر رہے تھے۔ آپس میں نفاق اتنا بڑھ چکا تھا کہ ایک بار کارخانے کے باہر میدان میں دونوں گروہوں کے آدمیوں میں زبردست جھگڑا ہوا۔ آزادی کے ساتھ لاٹھیاں چلیں، پتھر چلے، بعض زخمی ہو کر ہسپتال چلے گئے۔ کچھ حوالات میں کئی روز تک بند رہنا پڑا۔

ترلوک چند مزدوروں کی طرف سے کسی قدر مطمئن ہو چکا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ دوسرا کارخانہ لگانے کے واسطے جرمنی جا کر خود مشین کا سودا کرے انہی دنوں اس کو یہ اطلاع ملی کہ مزدور پھر گڑبڑ کرنے والے ہیں۔ انھوں نے ایک پوشیدہ یونین بنالی ہے جس کے جلسے رات کے سناٹے میں کارخانے کے ایک مستری لڑبک بابا کے گھر میں ہوتے ہیں۔

ترلوک چند نے بہت کوشش کی کہ یہ پتہ چل جائے کہ ان جلسوں میں کون کون شامل ہوتا ہے مگر اس بات کا اس کو کوئی سراغ نہ مل سکا۔ ایک بار اس نے لڑبک بابا کو بلایا بھی، دیر تک باتیں کرتا رہا، اس کو دھمکایا بھی

ہیڈ مستری بنانے کی رشوت بھی دی، مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔ کسی بات کا ذرا بھی اندازہ نہ ہو سکا۔

ترلوکی چند کے ایجنٹ برابر اس کو ہر بات کی اطلاع دیتے رہے۔ ٹوبک بابا کے گھر میں ہونے والے جلسوں کے علاوہ اب انھوں نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ مزدوروں میں دبی زبان سے ہڑتال کی بات سنی جا رہی ہے وہ جلد ہی کوئی گڑبڑ کرنے والے ہیں۔ لہٰذا سر پر منڈلانے والے اس خطرہ کو کوٹالنے کے واسطے اس نے نئی اسکیم بنانا شروع کر دی۔

ہولی کا تہوار قریب آرہا تھا، سردی میں کمی آگئی تھی پھاگن کی ہواؤں میں کلیوں کی مہک تھی۔ راتیں بڑی سہانی ہو گئی تھیں۔ ایک ایسی ہی رات کو جب پورے چاند کی جھلکتی ہوئی اجلی اجلی چاندنی ہر طرف بکھری ہوئی تھی۔ رام بلی نے نئی قمیص نکال کر پہنی بالوں کو دیر تک آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر جمایا اور خوب بن ٹھن کر رانی بوا کے بنگلہ کی طرف جانے کی تیاری کرنے لگا۔ اسی اثنا میں ترلوکی چند کا آدمی آیا کہ بڑے صاحب نے فوراً بلایا ہے مجبوراً وہ اس کے ساتھ ہو لیا۔

ترلوکی چند نے اس سے زیادہ باتیں نہیں کیں۔ وہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر کوٹھی کے پچھلے حصہ کی طرف گیا۔ وہاں کچھ دیر تک وہ سرگوشی کے انداز میں آہستہ آہستہ باتیں کرتا رہا پھر وہ اس کو اپنے ہمراہ لے کر ایک کمرے کے دروازے پر گیا اس نے بڑے گمبھیر لہجہ میں رام بلی سے کہا۔

"میں نے تم کو ضروری باتیں بتا دی ہیں۔ یہ کام جس طرح بنے صبح تک

ہو جائے۔ میں کل تمہاری زبان سے نہیں سننا نہیں چاہتا " لمحہ بھر توقف کرنے کے بعد وہ بولا " اب تم کمرے کے اندر چلے جاؤ۔ میں ایک ضروری کام سے جا رہا ہوں "

اتنا کہہ کر تربولوکی چند وہاں سے چلا گیا ۔۔۔ رام بلی خاموش کھڑا رہا پھر اس نے موٹر اسٹارٹ ہونے کی آواز سنی۔

اسی وقت اس نے کمرے کے دروازے پر دستک دی، دروازہ تو نہیں کھلا، البتہ کسی نے اندر سے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

"کون ہے؟"

"رام بلی!"

اس کے بعد دروازہ کھل گیا۔ ایک آدمی نے دروازے سے جھانک کر اس کو دیکھا اور آہستہ سے بولا " اندر آجاؤ ٹھاکر!" رام بلی چپ چاپ کمرے میں داخل ہو گیا۔

اس نے کمرے کے اندر جا کر دیکھا کہ دیوار سے ذرا ہٹ کر ایک نیم برہنہ آدمی کھڑا تھا۔ شکرے کی طرح آگے کو جھکی ہوئی ناک، رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیاں، دبلا پتلا جسم، اس کے سینے کی ایک ایک پسلی نظر آ رہی تھی۔ وہ ادھیڑ عمر کا آدمی تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے تھے۔ وہ اس وقت نڈھال سا گردن جھکائے کھڑا تھا۔ اس کے علاوہ وہاں دو آدمی اور تھے، مضبوط جسم، لمبے چوڑے ہاتھ پاؤں، خونخوار آنکھیں، یہ گردھر اور لوٹی تھے۔ رام بلی دونوں کو جانتا تھا۔ اس نے لوٹی سے آہستہ سے پوچھا۔

"کون ہے یہ؟"

وہ بولا "لوٹو بک بابا، تم اس کو نہیں جانتے؟"

رام بلی کو بڑی حیرت ہوئی۔ وہ اس کو کوئی بہت خطرناک قسم کا آدمی سمجھتا تھا۔ مگر وہ تو ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا کہنے لگا۔

"یہی لوٹو بک بابا ہے؟"

اسی وقت نیم برہنہ جسم والے لوٹو بک بابا نے اس کی جانب مڑ کر دیکھا اور بڑے صاف لہجہ میں کہنے لگا۔

"ہاں، میرا ہی نام لوٹو بک ہے، تم بھی مجھ کو مارنے آئے ہو نا؟"

رام بلی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا جواب دے۔ اس نے لوٹو بک بابا کی بات کو نظر انداز کر کے لوٹی سے پوچھا "کچھ کام بنا؟" اس نے انکار میں گردن ہلادی لیکن گردھر فوراً بولا۔

"گھبرانے کی بات نہیں، مسالا تیار ہو گا کیسے نہیں، ابھی تیار ہوتا ہے۔"

لوٹی نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی "ابھی سر میں ذرا گرمی چڑھی ہوئی ہے تھوڑی دیر میں اتر جائے گی، یوں چٹکیوں میں سب کچھ کہہ دے گا، بس تمہارے آنے کی دیر تھی ٹھاکر!"

رام بلی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ جب تک غصہ نہیں آئے، وہ کسی کو کیسے مار سکتا ہے۔ اب غصہ کیسے پیدا کیا جائے۔ اس کو خاموش دیکھ کر لوٹی نے پاس رکھی ہوئی بالٹی میں سے المونیم کے گلاس میں پانی بھرا اور پورا گلاس لوٹو بک بابا کی ننگی پیٹھ پر ڈال دیا۔ اس نے سردی

سے کپکپا کر ایک سسکی بھری اور اس کا تمام جسم لرز کر رہ گیا۔ اسی وقت گردھر نے چمڑے کا لمبا سا تسمہ اٹھایا اور سڑا سڑ اس کی پیٹھ پر مارنا شروع کر دیا ٹوبک بابا کبھی ایک طرف جھک جاتا کبھی دوسری طرف۔

جب گردھر کے ہاتھ سست پڑ گئے تو ٹوفی نے اپنا تسمہ اٹھایا اور ٹوبک بابا کی کھال ادھیڑنے کی کوشش کرنے لگا۔

رام بلی کے رونگٹے کھڑے ہونے لگے، اچانک اس نے سوچا کہ اگر ان دو آدمیوں سے میرا جھگڑا ہو جائے تو کیا میں ان پر بھاری پڑوں گا۔ اڑنے سے پہلے پر تولنے والے پرندے کی طرح اس نے بازوؤں کے پٹھوں کو دبا کر اپنی طاقت کا اندازہ لگانے کی کوشش کی۔ لیکن یہ کوشش فضول تھی، وہ ان کو مار کیسے سکتا تھا۔ اس نے صرف اتنا کہا۔

"ٹھہرو جی، بس بہت مار چکے"

ٹوفی کا ہاتھ رک گیا۔ اس نے دیکھا، رام بلی کے چہرے پر جھنجھلاہٹ تھی۔ پھر اس نے فوراً ہی اپنی غلطی کو محسوس کیا۔ نرمی سے بولا "ضدی آدمی سے تم اس طرح نہیں جیت سکتے۔ کوئی اور تدبیر نکالنا پڑے گی" وہ دونوں اس کا منہ تکنے لگے۔ رام بلی سوچنے لگا۔ وہ تدبیر کیا ہو سکتی ہے۔ اسی وقت گردھر نے اس کی مشکل آسان کر دی۔ کہنے لگا۔

"ابھی تو رات باقی ہے۔ آؤ ذرا سا شغل ہو جائے"

یہ کہہ کر اس نے کونے سے شراب کی بوتل اٹھائی اور گلاس میں انڈیل کر گلاس اس کے آگے بڑھا دیا "پہلے تم اس کو تو چڑھاؤ۔ ذرا گرمی آئے تو پھر

کوئی ترکیب ورکیب لگا نا!" رام بلی کو یہ پروگرام بہت پسند آیا۔ اس نے گلاس ہونٹوں سے لگایا اور ایک ہی سانس میں ختم کر دیا۔

اس کے بعد وہ تینوں بیٹھ کر شراب پینے لگے۔ جب ذرا نشہ دور ہو گیا، تو ٹوفی نے رازدارانہ لہجہ میں کہا" ٹھاکر، میری سمجھ میں ایک بات آئی ہے۔"

رام بلی بولا "کیا؟"

ٹوفی نے کوئی جواب نہ دیا۔ گلاس میں شراب انڈیلی اور اس کو لے کر ٹوبک بابا کے پاس لے گیا "لے بے تھوڑی سی تو بھی لگا لے۔ کیا یاد کرے گا کوئی سیٹھ ٹوفی چند ملا تھا۔"

ٹوبک بابا کہنے لگا۔

"پلانا ہی ہے، تو اتنی سی کیا، بوتل اٹھا لاؤ تب مزا ہے۔"

ٹوفی ہنسنے لگا "سالے کی رئیسی تو دیکھو، کس ٹھاٹ سے بول رہا ہے، تیری تو ـــــــ" اس نے گالی دے کر ساری شراب ٹوبک کے منہ پر انڈیل دی۔ اور اس کی کمر پر تابڑ توڑ کئی لاتیں ماریں۔

ٹوبک درد سے دوہرا ہو گیا۔ ہائے ہائے کرتا ہوا گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔ اب گردھر بھی وہاں آ گیا تھا۔ اس نے ٹوبک بابا کا ہاتھ پکڑ کر کھڑا کر دیا " سالے ابھی سے مرا جا رہا ہے" اور اس نے اپنے گلاس کی شراب بھی اس کے سر پر انڈیل دی اور اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہو گیا "بول کیا کہتا ہے، ساری بات ٹھیک ٹھیک بتا دے، نہیں تو سالے ارتھی کی طرح یہیں جلا کر بھسم کر دوں گا" اس نے جھٹ سے ماچس جلائی اور اس کے

سر کے قریب سے گیا۔ ٹوبک بابا کا جسم سردی سے کانپ رہا تھا۔ بھیگے ہوئے
بالوں میں سے شراب کے قطرے اس کے چہرے پر ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔
گردھر نے دو مرتبہ مائیں جلائی اور اس کے قریب لے گیا۔ رام بلی نے دور
ہی سے چلا کہا۔
"ا یہ کیا کرتا ہے گردھر، سالے آگ لگ جائے گی۔ یہ شراب پٹرول
کی طرح آگ پکڑتی ہے۔ چل تو ادھر آ۔ یہ تو میرے ہی قابو میں آئے گا"
وہ دوڑ کر وہاں پہنچ گیا۔ اس نے ٹوبک کی گردن اپنے مضبوط ہاتھوں میں
دبوچ لی اور چیخ کر بولا۔
"بول کیا کہتا ہے؟"
وہ خاموش رہا۔ رام بلی نے اپنی گرفت کو اور سخت کر دیا۔ ٹوبک نے پھر
بھی جواب نہ دیا۔ البتہ اس کی آنکھیں پھٹ کر باہر نکلنے لگیں۔ چہرہ سیاہ پڑنے
لگا۔ ہڈیاں اور ابھر آئیں۔ اس نے گردن چھوڑ دی۔ ٹوبک بابا پورا منہ کھول کر
ہانپنے لگا۔ رام بلی کو اس کا اس طرح سانس بھرنا بڑا تکلیف دہ معلوم ہوا۔ اس
نے دیکھا ٹوبک بابا کی پیٹھ پر، بازوؤں پر نیلے اور سرخ نشان جلی ہوئی اینٹوں
کی طرح بکھرے ہوئے تھے جن میں جگہ جگہ سے جیتا جیتا خون رس رہا تھا۔
رام بلی کو تسلی سی معلوم ہونے لگی، وہ لپک کر اس جگہ گیا جہاں شراب
کی بوتل رکھی تھی اور اس کو منہ سے لگا کر غٹ غٹ پینے لگا۔ ذرا دیر بعد اس
نے تسمہ کے سڑ سڑانے کی آواز سنی۔ ٹوبک بابا درد سے ہائے ہائے کر رہا
تھا۔ رام بلی نے مڑ کر دیکھا اور خاموشی سے شراب پیتا رہا۔ البتہ اب وہ ڈائرکٹر

کے فرائض انجام دینے لگا تھا۔ یوں بھی ترلوکی چند نے گردھر اور لوفی کو اس کی ماتحتی میں دیا تھا۔ جب ایک تھک جاتا تو وہ دوسرے کو اشارہ کرتا، وہ تسمہ لے کر ہاتھ چلانا شروع کر دیتا۔

کئی گھنٹے اسی طرح گذر گئے۔ رات اب آدھی سے زیادہ گذر چکی تھی۔ ٹوبک کچھ بولتا ہی نہیں تھا۔ جب زیادہ تکلیف ہوتی تو ہائے ہائے کرتا ہوا فرش پر گھٹنوں کے بل بیٹھ جاتا۔ اس کی اس خاموشی پر اب واقعی رام بلی کو بھی غصہ آگیا تھا۔ اور وہ جھنجھلا جھنجھلا کر گردھر اور لوفی کو للکارتا۔

"ابے ذرا کس کے ہاتھ لگاؤ۔ تمہاری تو ــــــ؟"

ٹوبک کے ساتھ ساتھ وہ ان کو بھی گالیاں دینے لگتا۔ آخر وہ تنتا ہوا پھر اس کے پاس گیا اور سامنے جاکر تن کے کھڑا ہو گیا۔

"بول! ابے حرامی بولتا کیوں نہیں؟"

ٹوبک بابا حسب معمول بت بنا کھڑا تھا۔ رام بلی نے جھلا کر اس کے منہ پر ایک زناٹے کا بھرپور ہاتھ مارا، پھر دوسرا، تیسرا، لگاتار کئی ہاتھ مارے۔ ٹوبک نے حلق کے اندر سے بڑی دردناک چیخ نکالی اور اس کی گردن لٹک گئی، اس کی ایک آنکھ سوج گئی تھی اور ہونٹوں کے گوشوں سے خون ٹپ ٹپ گر رہا تھا۔ رام بلی نے گالی دے کر کہا۔

"بول، بولتا ہے کہ نہیں؟"

اس نے پھر ہاتھ اٹھایا۔ اس دفعہ ٹوبک نے گردن اٹھا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں، درد سے کراہتے ہوئے اس نے کہا۔

"مارو مت" وہ بری طرح ہانپ رہا تھا۔

رام بلی نے ہاتھ روک لیا۔ ٹوبک رک رک کر کہنے لگا "تم مجھ کو بڑے صاحب کے سامنے پیش کر دو۔ میں ان سے سب کچھ کہہ دوں گا۔ یہی چاہتے ہو نا"

رام بلی بولا "ہاں بس یہی"

ٹوبک میں قوت مزاحمت ختم ہو چکی تھی۔ وہ اس کو بار بار کھڑا کرتے تھے اور وہ فرش پر گر پڑتا تھا۔ پھر اس نے رام بلی سے کہا "میرا ہاتھ تو کھول دو، میں بھاگ کر کہاں جاؤں گا۔ ہو سکے تو میرے بدن پر کمبل ڈال دو ـــــ" رام بلی نے کونے میں پڑا ہوا کمبل اٹھایا اور اس کے جسم پر ڈال کر بولا۔

"ہاتھ تو سویرے سے پہلے نہیں کھلیں گے"

رام بلی اب بڑا خوش تھا۔ اس نے ٹوبک کے شانے پر تھپتھپایا۔ وہ درد سے چیخ پڑا "ہاتھ مت لگاؤ درد ہوتا ہے" رام بلی نے ہاتھ ہٹا لیا اور شاباشی دینے کے انداز میں کہنے لگا۔

"ٹوبک بابا، تم بہت اچھے آدمی ہو"

ٹوبک بگڑ کر بولا "گالی مت دو، میں نے اپنے ساتھیوں کو دھوکا دیا۔ رام بلی تم میرے منہ پر تھوک دو" اور پھر اس کی آواز بھرا گئی اور وہ سسکیاں بھر کر رونے لگا۔ رام بلی کچھ پریشان سا ہو گیا۔ اس نے ٹوفی سے کہا۔

"تم دونوں باہر جا کر بیٹھو، کمرہ بند کر دینا۔ سویرے بڑے صاحب کے سامنے اس کو لے جانا"

اتنا کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلا گیا اور وہاں سے سیدھا رانی لوا کے بنگلہ پر پہنچا۔

نو!

رات کے کوئی ڈیڑھ بجے کا عمل ہو گا۔ پیلا پیلا چاند درختوں کے پیچھے ڈوب رہا تھا ہر طرف گہرا سناٹا تھا، خاموشی تھی، صرف کارخانے کی مشینوں کا سینہ دھڑک رہا تھا

اس نے دروازے پر دستک دی کوئی جواب نہ ملا۔ اس نے کئی بار دستک دی۔ اندر بنگلہ میں نہ کوئی آہٹ ابھری، نہ آواز آئی۔

وہ کھڑا دیر تک دروازہ کھٹکھٹاتا رہا، بالآخر رانی بوا کی نیند میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

"کون ہے؟"

رام بلی نے اونچی آواز میں کہا "میں ہوں رام بلی، دروازہ تو کھولو!"

دروازہ کھلتے ہی وہ رانی بوا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا اور ڈانٹ کر بولا "یہ دروازہ

اتنی دیر میں کیوں کھلا؟ ان کو اس کا انداز ناگوار گزرا، بگڑ کر بولیں۔

"جب تو نشہ میں ہوا کرتو یہاں مت آیا کر۔"

مگر وہ اس وقت ان سے ذرا مرعوب نہ ہوا "دیکھو رانی جی، تم مجھ سے اس طرح بات مت کیا کرو" ان کو اور بھی برا لگا۔ کہنے لگیں۔

"اوہو، تیرا دماغ تو خراب نہیں ہو گیا، ایک تو سوتے میں آ کر نیند خراب کر دی اوپر سے اول فول بک رہا ہے۔"

رام بلی نشہ میں جھوم کر بولا "میں کہتا ہوں، رانی جی تم اب چپ ہو جاؤ۔"

اس کی آواز بنگلہ میں گونج اٹھی۔ رانی بوا واقعی گھبرا گئی تھیں، آہستہ سے بولیں۔

"دھیرے بول منوہر اٹھ جائے گا۔" ذرا توقف کر کے وہ کہنے لگیں "تو اس وقت نشہ میں دھت ہو رہا ہے، جا کر اپنے کوارٹر میں سو۔"

رام بلی کو یہ بات بے حد بری معلوم ہوئی "نہیں میں اس وقت کہیں نہیں جاؤں گا" پھر وہ نشہ میں بڑبڑانے لگا۔

"لو ہم تو سالی کے پاس اتنی دور سے چل کر آئے، اور یہ نکال رہی ہے تیری تو ایسی کی تیسی، بڑی رانی بن کر آئی ہے۔"

پہلی بار رام بلی کے منہ سے گالیاں سن کر وہ آپے سے باہر ہو گئیں، چیخ کر بولیں

"نکل جا یہاں سے، بدمعاش، الّو کا پٹھا" وہ غصہ سے کانپ رہی تھیں۔

رام بلی نے زبان سے ایک لفظ نہ نکالا۔ خونخوار نظروں سے ان کو گھورتا رہا۔ پھر اچانک اس نے لپک کر ان کی گردن دبوچ لی۔ لمحہ بھر جھنجھوڑنے کے بعد اس نے اس زور سے دھکا دیا کہ وہ دیوار سے جا کر ٹکرا گئیں۔ پھر اس نے دوڑ کر ان کی

کمر پر، سینہ پر، ہر جگہ کئی زور زور کی ٹھوکریں ماریں۔

رانی بوا اس قدر بدحواس ہوچکی تھیں کہ ان کے منہ سے آواز تک نہ نکل سکی۔ رام بلی اس وقت بھوت بنا ہوا تھا۔ اس نے ان کے تمام کپڑے تار تار کرڈالے۔"

خوف زدہ ہوکر وہ تیزی سے بھاگیں کہ دوسرے کمرے میں جاکر دروازہ بند کرلیں۔ مگر گھبراہٹ میں ان کا پیر کرسی کے پائے سے ٹکرا گیا، اور وہ فرش پر دھڑام سے گر پڑیں۔ رام بلی خونی کی طرح سرخ سرخ آنکھیں نکالے ان کی طرف بڑھا تو وہ زور سے چیخیں۔

"ہائے مر گئی!"

ان کی آواز اتنی تیز تھی کہ منوہر اٹھ بیٹھا اور اس نے زور زور سے رونا شروع کردیا۔

رام بلی لمحہ بھر تک رانی بوا کے برہنہ جسم کے پاس کھڑا لمبی لمبی سانسیں کھینچتا رہا، پھر وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا بنگلہ کے باہر نکل گیا۔

دوسرے دن وہ سویرے ہی سویرے نرلوکی چند کے پاس گیا۔ وہ اس وقت دفتر میں اکیلا بیٹھا تھا۔ اس نے رام بلی کو مسکرا کر دیکھا۔

"ٹھاکر، اب تم بہت کام کے آدمی ہوتے جارہے ہو۔"

پھر اس نے جیب سے کئی سو سو والے نوٹ نکالے اور رام بلی کے سامنے پھینک کر بولا "جاؤ عیش کرو۔" رام بلی نے ان نوٹوں کو اٹھایا اور خوش خوش واپس چلا آیا۔"

رقم ہاتھ آگئی تو رام بلی نے خوب شراب پینا شروع کر دی۔ کئی روز کے بعد کا ذکر ہے۔ وہ شراب پی کر نشہ میں جھوم جھوم کر گا رہا تھا کہ اتنے میں دروازہ پر دستک ہوئی۔ رام بلی نے سوچا ترلوکی چند نے بلوایا ہوگا۔ پھر کوئی مصیبت آئی اب وہ رات کے وقت ترلوکی چند کے پاس جاتے ہوئے گھبرانے لگا تھا۔

سہما ہوا سا وہ دروازے کے پاس گیا۔ ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا تو اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اس کے سامنے رانی بوا کھڑی تھیں، وہ گھبرا کر بولا:۔

"رانی جی، اتنی رات گئے تم یہاں کیسے آئیں؟"

وہ آہستہ سے بولیں: "تم کو لینے آئی ہوں، ابھی میرے ساتھ چلو"

رام بلی نے سوچا ان کا زیادہ یہاں ٹھہرنا خطرناک ہوگا۔ وہ چپ چاپ ان کے ساتھ بنگلے کی جانب چل دیا۔

اب رانی بوا کے یہاں اس کا راتوں کا آنا جانا پھر شروع ہو گیا تھا لیکن اس آمد ورفت کو ہفتہ بھر بھی نہ گزرا تھا کہ رانی بوا کا پھر اس سے جھگڑا ہو گیا۔ بات اتنی تھی کہ ایک بوتل ختم کرنے کے بعد وہ دوسری بوتل مانگ رہا تھا اور وہ دینے کو تیار نہیں تھیں۔ وہ اصرار کرتا رہا وہ انکار کرتی رہیں۔ بات بڑھ گئی تھی رام بلی کو غصہ آگیا۔ اس نے ان کے سر پر گلاس کھینچ مارا۔ وہ بال بال بچ گئیں گلاس دیوار سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گیا۔ مگر وہ باز نہ آیا اور اٹھ کر بے تحاشا مارنے لگا۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ وہ ان کو اسی عالم میں چھوڑ کر اپنے کوارٹر چلا آیا۔

رام بلی نے رانی بوا کے ہاں جانا بند کر دیا۔ وہ ایک بار پھر روٹھ کر بیٹھ رہا۔ ایک دن، دو دن، کئی دن گذر گئے۔ ایک روز رات گئے دروازے پر پھر آہٹ ہوئی۔ رام بلی نے موٹی سی گالی دے کر کہا "آ گئی سالی اس کی تو ——!" وہ لپک کر دروازے پر گیا، وہاں ایک عورت کھڑی، مگر رانی بوا نہیں تھی، اس نے حیرت سے پوچھا۔

"اللہ رکھی تو کہاں سے آ گئی؟"

وہ کوارٹر کے اندر آ گئی۔ بولی "دروازہ بند کر دو، اندر چل کر اطمینان سے بات کروں گی۔" رام بلی نے دروازہ کی چٹخنی چڑھائی۔ دونوں کمرے کے اندر آ گئے۔ وہ کہنے لگی۔

"مجھ کو تو ترلوک چند کی کوٹھی میں آئے کئی دن ہو گئے ہیں۔ تمھارا کہیں پتہ نہیں چلتا۔ آج نہ جانے کس طرح یہاں پہنچی ہوں۔"

رام بلی بولا "اور بڑے صاحب کی گھر والی کہاں ہے؟"

"وہ بچوں کے ساتھ اپنے میکے گئی ہوئی ہے۔"

"اچھا تو یہ بات ہے۔"

اللہ رکھی کچھ پریشان معلوم ہو رہی تھی۔ کہنے لگی "ٹھاکریں تو بڑی مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔ یہ سیٹھ تو بڑا خراب آدمی ہے۔ حرامی نے میرا ناک میں دم کر دیا ہے۔ رات بھر شراب پیتا ہے مجھ کو بالکل ننگا کروا کے نچاتا ہے۔ اور بڑے بڑے حرامی پن کرتا ہے۔ اس وقت شراب میں دھت ہو کر بے ہوش پڑا ہے۔ جبھی میں تمہارے پاس آ گئی۔"

رام بلی خاموش بیٹھا اس کی باتیں سنتا رہا۔ پھر آہستہ آہستہ کہنے لگا۔
" اللہ رکھی میری مان تو یہ دھندا چھوڑ کر کسی کے گھر بیٹھ جا۔"
وہ جھٹ سے بولی " کس کے گھر بیٹھ جاؤں، کون مجھے بٹھائے گا۔"
رام بلی بولا " مجھ سے بیاہ کر لے۔"
وہ حیرت سے بولی " تم سے ٹھاکر! ارے واہ!! تم تو خود سیٹھ کے ملازم ہو۔"
رام بلی کہنے لگا " نہیں اللہ رکھی، میں اس کے کاموں سے اب گھبرا گیا ہوں۔ سڑک پر کام شروع کر دوں گا۔ دونوں مزے سے رہیں گے ٹھیک ہے نا۔"

اس نے پیار سے اللہ رکھی کی پیٹھ پر ہولے سے ہاتھ مارا۔ اللہ رکھی جو اس کے قریب ہی بیٹھی تھی۔ سرک کر دور چلی گئی۔ پھر فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔
" تیرے ساتھ نباہ نہیں ہو سکتا۔ تو ٹھہرا شراب کا رسیا۔ میں نے اپنا پیٹ کاٹ کاٹ کے جو ٹوم جھلا بنایا ہے، اس کو بھی بیچ کر کھا جائے گا۔ نا بابا! یہ ٹھیک نہیں۔"

رام بلی کھسیانا ہو کر ہنسنے لگا " سوچ لے آگے تیری مرضی۔"
اللہ رکھی کہنے لگی " میں تو چاہتی ہوں کہ تم مجھ کو کسی طرح لکھنؤ پہنچا دو۔"
رام بلی جل کر بولا " اگر بڑے صاحب کو پتہ لگ گیا، تو میری تو شامت آجائے گی۔ تیرا کیا ہے، جب اس کی گھر والی آجائے گی خود ہی تجھ کو جا کر چھوڑ آئے گا۔ ہمیشہ تو تجھ کو ساتھ رکھنے سے رہا۔ جا اسی کی جوتی لات کھا۔ میں کچھ نہیں کر سکتا۔"
اللہ رکھی بڑبڑانے لگی۔ " بے مروت، خود غرض کہیں کا۔" اور اسی طرح بڑبڑاتی

ہوئی اٹھ کر وہاں سے چل دی۔

اس کے جانے کے بعد رام بلی بے چین سا ہو گیا۔ آخر وہ رانی بوا کی طرف چل دیا۔ لیکن اس روز ایسا اتفاق ہوا کہ جب وہ بنگلے کے دروازے میں داخل ہو رہا تھا تو اس نے سنا احاطے کے باہر سے کارخانے کا ایک پہرے دار ٹوک کر پوچھ رہا تھا۔

"او ٹھاکر رام بلی"

مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چپ چاپ اندر چلا گیا۔ رانی بوا اس کو دیکھ کر مسکرانے لگیں وہ جیسے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

رانی بوا کے بنگلے میں، رام بلی کا راتوں کو چوری چھپے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ لیکن اب یہ بات رانی بوا کے ملازموں میں دبی دبی زبان سے پھیلنے لگی۔ اس کا چرچا بڑے صاحب کی کوٹھی کے نوکروں میں بھی ہونے لگا تھا۔ اڑتے اڑتے اس بات کی بھنک ترلوکی چند کے کانوں میں بھی پڑ گئی۔ اس کو یقین نہ آیا مگر وہ جھنجھلایا بہت!

رام بلی اب شراب پی کر بہت بہکنے لگا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر بے قابو ہو جاتا۔ رانی بوا کو بے تحاشا مارتا۔ اکثر جھگڑا ہوتا۔ پھر وہ خود ہی جا کر ان کو منا لیتا یا وہ آ کر رات گئے چھپ کر اس کو منا کر لے جاتیں۔ انہی دنوں ایک بار ایسا ہوا کہ رام بلی نشہ میں مدہوش تھا اور رانی بوا کو بری طرح مار رہا تھا۔ یکایک باہر گیلری میں قدموں کی آہٹ ابھری، اور کوئی کھڑکی سے کود کر کمرے کے اندر آ گیا۔ یہ ترلوکی چند تھا۔ اس کی آنکھیں جنگلی کبوتر کی طرح سرخ ہو رہی تھیں۔

رانی بُوا اس کو دیکھ کر تھر تھر کانپنے لگیں۔ ان کا لباس جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ شرم سے ان کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ ترلوکی چند نے رام بلی کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھا۔ رام بلی پریشان ہو گیا۔ ترلوکی چند غصہ میں اس کو گالیاں دینے لگا۔

"سُور کے بچے، حرامی، کمینے"

گالیاں سن کر رام رام بلی تن کر کھڑا ہو گیا "سرکار گالی مت بکو"

ترلوکی چند نے ڈانٹ کر کہا "چپ!"

رام بلی نے زبان سے تو کچھ نہ کہا۔ زخمی بن مانس کی طرح ہاتھوں کے پنجے بھینچ کر جھومتا ہوا ترلوکی چند کی طرف بڑھا۔ ترلوکی چند سہم کر پیچھے ہٹنے لگا۔ اس نے ایک بار پھر اس کو ڈانٹا "رام بلی!"

رام بلی ٹھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ جیسے کسی نے اس کے قدم پکڑ لئے۔ ترلوکی چند کہنے لگا۔ جاؤ، یہاں سے چلے جاؤ"

رام بلی چپ چاپ بنگلہ سے باہر چلا گیا۔

رانی بوا ترلوکی چند کے پیروں پر گر کر گڑگڑانے لگیں "ترلوکی چند مجھ کو معاف کر دے میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔ منوہر کو لے کر ہردوار چلی جاؤں گی" ترلوکی چند کا سارا غصہ سرد پڑ گیا۔ کہنے لگا۔

"ماں جی تمہارے لئے سب سے اچھا یہی ہو گا۔ اسی ہفتہ میں بھی یورپ جا رہا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ میری روانگی سے پہلے تم ہردوار چلی جاؤ" اس نے بازو پکڑ کر ان کو اپنے پیروں سے اٹھایا اور دلاسا دیتے ہوئے بولا۔

"ماں جی، جاؤ کپڑے بدلو۔ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں جو ہونا تھا ہو چکا ہے"

یہ کہہ کر وہ بنگلہ سے نکل کر اپنی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

لیکن اس روز کے بعد رام بلی کہیں نظر نہیں آیا۔ اس کا کوارٹر خالی پڑا تھا۔ کسی کو کوئی علم نہیں کہ وہ کہاں گیا۔ رانی بوا ہردوار جا چکی تھیں اور نرلو کی چند جرمنی جانے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

اب ہولی جلنے والی تھی۔ کارخانے کے مزدور رات کو ٹولیاں بنا کر ہولی کے راگ جھوم جھوم کر گایا کرتے تھے۔ جس روز ہولی جلائی گئی، اس روز کسی نے مزدوروں کی ٹولی میں آ کر بتایا کہ پرانے قصبہ کے کھنڈروں میں سے ایک لاش ملی ہے کہتے ہیں کہ وہ رام بلی ہے۔ مزدوروں میں ذرا دیر کے لئے سنسنی پھیل گئی۔

اسی رات تھانے کے باہر مردے لے جانے والے صندوق میں ایک لاش رکھی جا رہی تھی، اس کے جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ چہرہ آگ سے اس طرح جھلسا ہوا تھا کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے تھے۔ یہ رام بلی تھا جو نامعلوم کیسے مرا اور کہاں مارا گیا۔ پولیس کی تفتیش سے بھی کوئی سراغ نہ نکل سکا۔

شوکت صدیقی

تیسرا آدمی

دونوں ٹرک، سنسان سڑک پر تیزی سے گذرتے رہے ا
بتمبر پور روڈ، مشرق کی طرف مڑتے ہی ایک دم سے نشیب میں چلی گئی ہے۔ اور جھکے ہوئے ٹیلوں کے درمیان کسی زخمی پرندے کی طرح ہانپتی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ رات اب گہری ہو چکی ہے اور آغاز سرما کی بپھری ہوئی ہوائیں چل رہی ہیں۔ دونوں ٹرک ڈھلوان پر کھڑکھڑاتے ہوئے گذر رہے ہیں۔ ان کے بے ہنگم شور سے پہاڑی چٹانوں میں دھمک رہا ہے۔ یکایک اندھیرے میں کسی نے چیخ کر کہا۔

"اے کون جا رہا ہے، ٹرک روک لو!"

رات کے سناٹے میں یہ آواز بڑی پراسرار معلوم ہوئی۔ لیکن

ٹرکوں کے اندر بیٹھے ہوئے لوگوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ وہ اسی طرح خاموش بیٹھے رہے اور دونوں ٹرک جھکی ہوئی چٹانوں کی گہرائی میں تیزی سے گذرتے رہے۔ اس دفعہ ذرا زور سے آواز سنائی دی "روکو، روک لو ٹرکوں کو!" اور اس کے ساتھ ہی موٹر سائیکل اسٹارٹ ہونے کی گھڑ گھڑاہٹ ابھرنے لگی، اس کی تیز روشنی کبھی کبھی دھوپ چھاؤں کی طرح ٹرکوں کے پچھلے حصوں پر لہرا جاتی ہے۔ لیکن ٹرک رک نہیں سکتے، اس لئے کہ یہ خطرے کا الارم ہے، ان کی رفتار اور تیز ہو گئی۔ سڑک بالکل ویران ہے اور دونوں ڈرائیور بڑے اکسپرٹ ہیں۔

موٹر سائیکل کی روشنی قریب ہوتی جا رہی ہے۔ اور قریب! اور قریب!! اور اس کا شور ٹرکوں کے نزدیک ہی دھڑکنے لگا ہے۔ ان کی رفتار اب زیادہ نہیں بڑھ سکتی۔ اس لئے کہ ڈھلوان پر ٹرکوں کے بے قابو ہو جانے کا پورا اندیشہ ہے۔ دونوں ڈرائیوروں کے سہمے ہوئے چہرے خوف زدہ ہوتے جا رہے ہیں۔ لیکن نیلی آنکھوں والا واخچہ خاموشی سے بیٹھا ہوا سگرٹ پیتا رہا اور برابر سوچتا رہا کہ اب کیا کرنا چاہیئے۔ پھر ایک بار کوہستانی ٹیلوں کی گہرائی میں ریوالور چلنے کی آواز بڑے بھیانک انداز سے گرجنے لگی اور گولی ٹرک کے پچھلے پہیوں کے پاس سے سنسناتی ہوئی گذر گئی۔ ایک بار پھر کسی نے اونچی آواز میں کہا۔

"روک لو ٹرکوں کو، نہیں تو میں ٹائر برسٹ کر دوں گا۔"

اور اس وارننگ کے ساتھ ہی دونوں ٹرک ٹھہر گئے۔ ٹرک کے

اندر سے صرف وانچو اتر کے نیچے آیا۔ باہر پت جھڑ کی شوریدہ سر ہوائیں چل رہی تھیں اور ان کی تیز خنکی جسم میں چبھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی۔ وانچو نے اپنے لمبے اوورکوٹ کے کالروں کو درست کیا اور آہستہ آہستہ چلتا ہوا موٹر سائیکل کے قریب پہنچ گیا۔ پھر اس نے جلتی ہوئی سگرٹ کو جھنجلاہٹ کے انداز میں سڑک پر پھینک کر جوتے سے مسل ڈالا۔ اور بڑے تیکھے لہجے میں پوچھنے لگا۔

"اس طرح ٹرکس رکوا لینے کا مطلب۔ کیا چاہتے ہیں آپ؟"

لیکن موٹر سائیکل پر بیٹھا ہوا بھاری بھر کم جسم والا انسپکٹر وانچو کے اس انداز سے ذرا بھی متاثر نہ ہوا۔ بلکہ بڑی بے نیازی سے کہنے لگا۔

"میں اینٹی کرپشن کا انسپکٹر ہوں اور دونوں ٹرکوں کی تلاشی لینا چاہتا ہوں"

وانچو نے غور سے اس کی طرف دیکھا۔ دھندلی روشنی میں اس کا چہرہ بڑا اکرخت معلوم ہو رہا تھا۔ اور ریوالور ابھی تک اس کی انگلیوں میں دبا ہوا تھا۔ وانچو نے پہلی ہی نظر میں اندازہ لگا لیا کہ بھاری بھر کم جسم والا انسپکٹر پوری طرح دہشت زدہ کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اس نے جھٹ سے کاروباری پینترا بدلا اور ذرا بے تکلفی سے کہنے لگا۔ اچھا تو آپ ہیں۔ اور پھر وہ مسکرا دیا۔ "اگر آپ آفیشلی پوچھتے ہیں تو دیکھئے دونوں ٹرکوں میں آلو کے بورے لدے ہوئے ہیں۔ میں ثبوت میں ڈسٹرکٹ ایگرو آفس کی رسید پیش کر سکتا ہوں۔ چونگی کا یہ محصول بھی پچھلے ناکہ پر ہی ادا کیا گیا ہے اور جو اصلیت ہے وہ تو آپ جانتے ہی ہوں گے اس لئے کہ آٹرن ٹیٹس کو اس طرح لے جانے

کا یہ کوئی اتفاق تو ہے نہیں ۔ یہ سلسلہ تو ایک مدت سے چل رہا ہے ۔

انسپکٹر گردن ہلا کر بولا "جی ہاں، سنا تو کچھ میں نے بھی یہی ہے اور اسی لئے کئی گھنٹوں سے اس سڑک پر تپسیا کر رہا تھا ۔

وانچو ہنسنے لگا " یہ تپسیا تو آپ نے خواہ مخواہ اپنے سر مول لی ۔ میں نے تو آپ کو دو مرتبہ ٹیلیفون کیا ۔ اگر آپ دفتر میں مل جاتے تو آپ کو اس طرح پریشانی اٹھانی نہ پڑتی اور خود مجھے بھی یہاں سردی میں نہ آنا پڑتا ۔ مگر چلئے یہ بھی ٹھیک ہی رہا ۔ اس بہانے آپ کے درشن تو ہو گئے !" اور وہ تین سو روپے جو احمد پور کے اس ٹرپ میں بچا لینا چاہتا تھا ۔ آخر اس نے ان کرنسی نوٹوں کو اندرونی جیب میں سے نکالا اور انسپکٹر کی طرف ان کو بڑھا کر کہنے لگا ۔

" آپ سے پہلی بار ملاقات ہوئی ہے ۔ اس لئے کچھ نہ کچھ نذرانہ تو دینا ہی پڑے گا لیجئے ان کو رکھ لیجئے ۔ فرمائیے اور کیا سیوا کی جائے ۔"

اینٹی کرپشن کا انسپکٹر روکھے پن سے بولا " اس مہربانی کا شکریہ ۔ اب اتنی اور مہربانی کیجئے کہ ان کو اپنے ہی پاس رہنے دیجئے ۔"

وانچو ذرا سنجیدہ ہو کر خاموش ہو گیا ۔ دونوں اندھیرے میں چپ چاپ کھڑے رہے اور کوہستانی چٹانوں میں پت جھڑ کی بپھری ہوئی ہوائیں چیختی رہیں ۔ آگے کھڑے ہوئے ٹرکوں کے اندر سرگوشیوں کی دبی دبی آوازیں گونجتی رہی تھیں ۔ وانچو غور کرنے لگا کہ یہ آسانی سے ماننے والا اسامی نہیں ہے ۔ اس سالے کو ابھی کچھ اور بھی دکشنا دینا پڑے گی ۔ اس لئے کہ وہ جانتا تھا کہ ہر کامیاب جرم کی سازش پہلے پولیس اسٹیشن کے اندر ہوتی ہے ۔ یہ

بات دوسری ہے کہ سودا بعد میں کبھی طے ہو سکتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ سب مایا کے کھیل ہیں اور مایا کے روپ نیارے ہیں۔ اسی لئے جرائم کی نوعیتیں جدا گانہ ہیں۔ جیب کاٹنے والا زیادہ سے زیادہ ہسٹری شیٹر بن سکتا ہے اور کار ہائے نمایاں انجام دینے والا سرمایہ دار ہو جاتا ہے۔ البتہ اتنا ضرور ہے کہ ہسٹری شیٹر بننے کیلئے پولیس کی سرپرستی درکار ہوتی ہے اور سرمایہ داری کے لئے گورنمنٹ سے ساز باز کئے بغیر کام نہیں چلتا۔ وانچو نے جیب کے اندر سے کچھ اور کرنسی نوٹ نکالے اور آہستہ آہستہ کہنے لگا:

"انسپکٹر تواری جب تک اس سرکل میں تعینات رہے۔ ہماری انڈسٹری کی طرف سے ان کو اسی حساب سے ان کا حق برابر پہنچتا رہا۔" پھر خوشامد کرنے کے سے انداز میں وہ مسکرا کر بولا" لیکن آپ کو اس طرح جاڑے پالے میں آکر پریشان ہونا پڑا ہے۔ اب اس پریشانی کا بھی کچھ خیال کرنا پڑے گا۔ لیجئے یہ دو سو اور ہیں۔ دیکھئے اب کچھ اور نہ کہئے گا اور اپنا یہ ریوالور تو آپ اب اندر رکھ لیجئے خواہ مخواہ آپ سے خوف معلوم ہو رہا ہے۔"

مگر بھاری بھرکم جسم والا انسپکٹر اسی طرح ناراضگی کے انداز میں بولا:"

"دیکھئے آپ مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کیجئے۔ میں ان دونوں ٹرکوں کو پولیس اسٹیشن لے جائے بغیر باز نہ آؤں گا۔ آپ خواہ مخواہ میرا بھی وقت خراب کر رہے ہیں اور خود بھی پریشانی اٹھا رہے ہیں۔" اور وہ موٹر سائیکل کو اسٹارٹ کرنے لگا۔

اس دفعہ وانچو کی مسکراہٹ نے دم توڑ دیا۔ اس نے بڑی خفگی

نظروں سے انسپکٹر کو گھور کر دیکھا۔ اس عرصہ میں پہلی بار اس کو خطرے کی نوعیت کا احساس ہوا تھا اس لئے کہ دونوں ٹرکس کسی طرح پولیس اسٹیشن نہیں جا سکتے تھے۔ کمپنی کا یہی حکم تھا۔ یہی ہدایت تھی اور اس ذمہ داری کے لئے کمپنی سے اس کو نو سو روپے ماہوار تنخواہ کے علاوہ منیجنگ ڈائرکٹر کی طرف سے چھ سو روپے ایکسٹرا الاؤنس بھی ملتا تھا۔ وانچو کئی ماہ سے اپنی اس ڈیوٹی کو بڑی مستعدی سے انجام دے رہا تھا۔ کمپنی اس کی کارگزاریوں کو سراہتی رہی ہے اور بورڈ آف ڈائرکٹرس کی میٹنگ میں بہت سی باتوں کے لئے اس کو جواب دہ بھی ہونا پڑتا ہے اور اکثر ایسے بے تکے سوالوں سے اس کو سابقہ پڑتا ہے کہ وہ بدحواس سا ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ پانچسو روپے سے زیادہ دو ٹرکوں کے لئے رشوت نہیں دے سکتا۔ ورنہ آئندہ میٹنگ میں اگر کوئی ڈائرکٹر الجھ گیا تو بہت ممکن ہے کہ زائد رقم اس کو اپنی تنخواہ سے ادا کرنا پڑے اور بات بھی کچھ ایسی ہی ہے، دراصل ابھی تک فیکٹری کی تعمیر کیلئے کمپنی اپنے پاس سے صرف روپیہ لگا رہی ہے۔ شوگر پلانٹ کا کانسٹرکشن ابھی ممکن نہیں ہوا ہے۔ البتہ کمپنی کے وہ فارم" جن میں ایکھ کی کاشت ہوگی، ان میں ٹریکٹر چلنے لگے ہیں اور آلو کی فصلیں تیار کی جا رہی ہیں اور یہ آلو گنی بیگس بھر کر قصباتی بازاروں میں فروخت ہونے کے لئے بھیج دیئے جاتے ہیں۔ آلوؤں کے ساتھ سیمنٹ کی بوریاں اور آئرن شیٹس بھی ٹرکوں میں لاد کر پوشیدہ طور پر بلیک مارکیٹ میں جاتے ہیں۔ کمپنی کو اپنی انڈسٹری کی تعمیر کے لئے سیمنٹ اور آئرن کا بہت بڑا اسٹاک مل گیا ہے جس کی سمگلنگ سنسان راتوں

میں بڑے پر اسرار طریقہ پر ہوتی ہے اور اس سازش میں پولیس کے علاوہ دوسرے محکمہ بھی کمپنی کے شریک ہیں۔

وانچو غور کرنے کے انداز میں خاموش کھڑا رہا۔ اس کی گھنی بھنویں آنکھوں پر جھکی ہوئی معلوم ہو رہی ہیں اور چہرے کے تیکھے نقوش مجسموں کی طرح ٹھوس نظر آر ہے ہیں۔ پھر ایکبارگی اس نے طے کر لیا کہ اسے کیا کرنا چاہیئے۔ انھیں وحشت ناک موقعوں کے لیئے وہ ہمیشہ کہا کرتا تھا کہ جو کچھ کہنا ہے اس کے فیصلے کے لیئے منٹ بھر کا عرصہ بہت ہے اور جو لوگ صرف انجام ہی پر غور کرتے ہیں وہ کبھی کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتے۔ پھر بوجھل قدموں سے چلتا ہوا وہ آگے والے ٹرک کے پاس پہنچ گیا اور سرگوشی کے انداز میں آہستہ آہستہ پکارنے لگا۔"

نیل کنٹھ، اے نیل کنٹھ مہاراج "!

اور ٹرک کے اندر سے مضبوط پٹھوں والا نیل کنٹھ دھنسی ہوئی آواز میں بولا "کیا ہے سکریٹری صاحب؟" پھر وہ اتر کر نیچے آگیا اس کا آبنوسی جسم رات کے گہرے اندھیرے میں پرچھائیوں کی طرح دھندلا نظر آرہا تھا۔ وانچو کہنے لگا۔ دیکھو نیل کنٹھ یہ سالا انسپکٹر تو کسی طرح مانتا نہیں اور تم جانتے ہو کہ دونوں ٹرک تھانے پر بھی نہیں جا سکتے۔"

" وہ سینہ تان کر بولا " تو جو حکم ہوا۔"

گہری نیلی آنکھوں والے وانچو نے اس کو بھرپور نظروں سے دیکھا اور پھر سازش کے سے انداز میں اس نے ایک آنکھ دبا کر آہستہ سے کہا " مجھ کو تو صرف لائن کلیر کی ضرورت ہے زیادہ جھنجھٹ نہیں چاہیئے " پھر مڑتے ہوئے اتنا

اور کہا" میں جاکر اس سے باتیں کرتا ہوں تم ٹرکوں کی پشت پر سے گھوم کر آجانا سمجھ گئے نا!" اور نیل کنٹھ جیسے سب کچھ سمجھ گیا ہو۔ اس کی آنکھیں جرائم پیشہ لوگوں کی طرح خونخوار نظر آنے لگیں۔ وانچو وہاں سے سیدھا اینٹی کرپشن کے انسپکٹر کے پاس چلا گیا۔ وہ اس کو آتے ہوئے دیکھ کر تیزی سے بولا۔

"آپ نے ٹرکوں کو اسٹارٹ نہیں کروایا بلاوجہ دیر ہو رہی ہے"

" وانچو بڑی سنجیدگی سے بولا" آپ تلاشی لیں گے۔ یا ٹرک اسی طرح چلیں گے"

وہ کہنے لگا۔ بظاہر تو اب کوئی ایسی ضرورت نہیں یوں جیسے آپ کی مرضی"

وانچو ایک بار پھر کاروباری انداز سے مسکرا دیا" انسپکٹر صاحب مرضی ہماری کہاں مرضی تو آپ کی ہے۔ ہم نے تو اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی مگر آپ کی ناراضگی ختم ہی نہیں ہوتی"

وہ بے نیازی سے بولا" دیکھئے ان بے کار باتوں سے کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا۔ آپ کو جو کچھ کہنا ہو، آپ تھانے پر چل کر کہہ لیجئے گا"

وانچو سنجیدہ ہو گیا" بہت اچھی بات ہے۔ لیکن اتنا میں آپ کو ضرور بتا دینا چاہتا ہوں کہ جو لوگ آئرن شیٹس اور سیمنٹ کا سرپلس کوٹا لے سکتے ہیں، جو اس کو سمگل بھی کرا سکتے ہیں وہ اپنے بچاؤ کے طریقے بھی جانتے ہی ہوں گے۔ چور چوری کرنے جاتا ہے تو باہر نکلنے کا رستہ پہلے دیکھ لیتا ہے" اور اس میں شک بھی نہیں کہ وانچو ٹھیک ہی کہہ رہا تھا۔ اس لئے کہ یونائیٹڈ انڈسٹریز لیمیٹڈ" کے ورکنگ ڈائرکٹر ایم۔ ایل۔ اے ہیں اور ان میں سے ایک تو یونین منسٹر کا داماد بھی ہے اور اسی لئے سرکاری محکموں میں کمپنی کا اثر بھی ہے اور رزور بھی ہے لیکن

بھاری بھرکم جسم والا انسپکٹر ان رازہائے سربستہ کو نہیں جانتا۔ اس سرکل میں ابھی اس کا نیا نیا ٹرانسفر ہوا ہے۔ اس لئے پورے علاقہ میں وہ اپنی دھاک بٹھا دینا چاہتا ہے اور اس لئے ایک آدھ بڑا کیس بنائے بغیر بات نہیں بنتی اور پولیس کی ٹیکنیک کے مطابق ایک بار جہاں ہوا بندھ گئی پھر تو لکشمی آ کر خود قدم چومتی ہیں اور اسی لئے کسی طرح باز نہیں آ سکتا۔ وانچو کی باتوں پر اس جھنجھلا کر اس نے جواب دیا "

" ممکن ہے آپ ٹھیک کہہ رہے ہوں " ابھی تو آپ ذرا چل کر حوالات میں ٹھہریئے پھر دیکھیں گے کہ آپ لوگ اپنے بچاؤ کا کونسا طریقہ جانتے ہیں "

اس دفعہ وانچو بھی بپھر گیا۔ اس نے تیزی سے کہا " انسپکٹر صاحب مجھے کیلاش ناتھ وانچو کہتے ہیں۔ میں تھانے تک جانے سے پہلے بات کو یہاں بھی طے کر سکتا ہوں۔ آپ کے ایسے اینٹی کرپشن کے انسپکٹروں سے اکثر سابقہ پڑا کرتا ہے۔ اگر ان میں آپ کو کوئی مل گیا ہوتا تو اس طرح مونچھ اونچی کر کے آپ کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی "

انسپکٹر کے چہرے پر اور بھی خشونت آگئی۔ وہ اس کو بڑی تیکھی نظروں سے گھورنے لگا اور اسی وقت آبنوسی جسم والے نیل کنٹھ نے اندھیرے میں سے نکل کر اس کے سر پر آہنی راڈ "" اٹھا کر زور سے دے مارا " انسپکٹر نے دبی ہوئی کراہ کے ساتھ ہائے کر کے پھٹی ہوئی بھیانک آواز نکالی۔ اور لڑکھڑا کر سڑک پر گر پڑا۔ اس کی انگلیوں میں دبا ہوا ریوالور ابھی تک کانپ رہا تھا۔ وانچو نے جھپٹ کر اس کے ہاتھ کو اپنے بوجھل جوتے سے رگڑ دیا۔ اور ریوالور کو چھین

کر ٹیلوں کی طرف پھینک دیا اور اس کی ریڑھ کی ہڈی پر ایک بھرپور لات مار کر بڑبڑانے لگا۔"

"ڈھیٹ تیرے کی۔" سالا کسی طرح مانتا ہی نہ تھا۔" اور پھر وہ نیل کنٹھ سے کہنے لگا۔" مہاراج ڈال دو سالے کو ادھر کنارے کی طرف۔" اور پھر اطمینان سے سگریٹ سلگا کر پوچھنے لگا۔" ہاں یہ دیکھ لو زخم گہرا تو نہیں۔ ورنہ بلاوجہ بات اور بڑھ جائے گی۔"

نیل کنٹھ کہنے لگا۔" ہاتھ بھرپور نہیں پڑا ہے۔ کوئی گھبرانے کی بات نہیں ہے۔"

پھر نیل کنٹھ نے سڑک پر بے سدھ پڑے ہوئے بھاری بھرکم جسم والے انسپکٹر کا بازو پکڑا اور اس کو گھسیٹتا ہوا دور تک چلا گیا۔ اس کا کرخت چہرہ خون میں ڈوب کر بڑا بھیانک نظر آرہا تھا۔ اور سانس سہمی ہوئی سی چل رہی تھی۔ وہ اسی طرح جھکے ہوئے کوہستانی ٹیلوں کے دامن میں کسی لاش کی طرح بے جان پڑا رہا اور آغاز سرما کی تھکی ہوئی کی تھکی سی ہوائیں پتھریلی چٹانوں میں ہانپتی رہیں اور ایک بارگی کہیں نزدیک ہی گیدڑوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔

دونوں ٹرکوں کے اسٹارٹ ہونے کی گھڑگھڑاہٹ سنسان رات میں ابھرنے لگی۔ اور وہ موٹر سائیکل کو بری طرح روندتے ہوئے سڑک پر پھر چلنے لگے۔ لیکن احمد پور جانے کے بجائے اب وہ جنوبی ٹیلوں کی طرف مڑ رہے تھے اور کوئی ستر میل کا چکر کاٹنے کے بعد

دونوں ٹرک پھر اسی چوراہے پر پہنچ گئے۔ جہاں لوہے کے کھمبے پر لگے ہوئے بورڈوں پر لکھا تھا:۔

بلبیر گھاٹ، اکیاون میل۔

سہجنواں کلاں، اٹھارہ میل۔

شیام باڑہ، چوراسی میل۔

احمد پور، ایک سو باون میل۔

قریب ہی ڈسٹرکٹ آکٹرائے ٹیکس آفس تھا۔ جس کے جھکے ہوئے سائبان کے نیچے ایک دھندلا سا لیمپ جل رہا تھا اور بڈھا محرر رجسٹروں کو کھولے ہوئے کھانس رہا تھا۔ ابھی کچھ عرصہ قبل یہاں پر دونوں ٹرکوں کی چنگی کا محصول ادا کیا گیا تھا واچو ٹرک پر سے اترا اور سیدھا سائبان کے نیچے چلا گیا اور سرگوشی کے لہجے میں آہستہ سے بولا:۔

منشی جی میرے خیال میں، آپ کے رجسٹروں میں ٹائم تو درج نہ ہوتا ہوگا"

اور پھر بغیر جواب کا انتظار کئے ہوئے اس نے چوکنا نظروں سے چاروں طرف دیکھا۔ اور تیس روپے کے کرنسی نوٹ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیئے " لیجئے ان کو رکھ لیجئے۔ اگر کوئی دریافت کرنے آئے تو کہہ دیجیئے گا کہ دونوں ٹرک کوئی ساڑھے آٹھ بجے کے قریب یہاں آئے تھے۔ سمجھ گئے نا آپ!"

اور بوڑھے محرر نے اپنی گردن ہلادی "ایسا ہی ہو جائے گا۔ پر کوئی گھبرانے کی بات تو نہیں!"

واچو ڈرامائی انداز میں قہقہہ لگا کر کہنے لگا "جب تک ہم موجود ہیں اسوقت

تک بھلا آپ پر کوئی آنچ آسکتی ہے۔"

وہ بھی ہنسنے لگا۔" سو تو ہے۔ پر بات اتنی ہے سرکار کہ اب زمانہ بڑا خراب لگ گیا ہے ذرا ذرا سی بات میں سسر بال کی کھال نکالتے ہیں۔"

اور پھر جونگی کے بوڑھے محرر کو مطمئن کر کے وہ مسکراتا ہوا ٹرک کے اندر جا کر بیٹھ گیا۔ دونوں ٹرک پھر روانہ ہو گئے۔ سامنے تمبر پور روڈ اندھیرے میں بل کھاتی ہوئی چلی گئی ہے۔ مگر دونوں ٹرک پھر اس طرف جانے کے بجائے راہیل روڈ کی طرف مڑ گئے۔ وانچو نے گھڑی میں وقت دیکھا، اب ڈیڑھ بج رہا تھا۔ اور پھر دو بجنے سے پہلے ہی دونوں ٹرک ابیر گڈھ پولیس اسٹیشن کے قریب جا کر ٹھہر گئے۔ وانچو تھانے کے اندر چلا گیا۔ اور ڈپوٹی انسپکٹر کو ڈیڑھ سو روپے دے کر اس نے ایک ٹرک کا چالان کرا دیا۔ روزنامچہ میں درج کرا دیا گیا۔

"ٹرک نمبر ۶۱۳۶" لو بجے شب کو راہیل روڈ پر سے گذرتے ہوئے بغیر ہیڈ لائٹس کے پایا گیا۔ تفتیش کرنے پر معلوم ہوا کہ اس کی بیٹری خراب تھی۔ ٹرک مذکور یونائیٹڈ انڈسٹریز لیمیٹڈ کی ملکیت ہے اور اس میں آلو کے بورے لدے ہوئے تھے۔"

اور اسی طرح کھیم پور کے تھانے پر اور مزید ڈیڑھ سو روپے رشوت دے کر دوسرے ٹرک کا بھی چالان کرا دیا گیا۔ اور ہیڈ کانسٹبل سرکاری روزنامچہ میں اندراج کرنے لگا۔

"پونے دس بجے شب کو ٹرک نمبر ۲۲۲۸ راہیل روڈ پر اتنی تیز رفتار سے گذر رہا تھا کہ کسی حادثے کے ہونے کا خطرہ تھا۔ ڈپوٹی انسپکٹر ہرنام سنگھ نے اس

کو رکوا کر تحقیقات کی تو یہ بھی دریافت ہوا کہ ڈرائیور مسمی نظر محمد کے پاس ڈرائیونگ لائسنس بھی موجود نہ تھا ـــــ!"

اس کے بعد دونوں ٹرک پھر راہیل روڈ پر تیزی سے گذرنے لگے۔ اور صبح کاذب کی گہری دھند میں دونوں ٹرک بلبیر گھاٹ پہنچ گئے۔ پھر چھ بجے سے پیشتر ہی وانچو بھارت انجینیرنگ ورکس کی نئی اسٹوڈی بیکر پر واپس لوٹ پڑا۔ اور ابھی دھوپ اچھی طرح پھیلنے بھی نہ پائی تھی کہ اس کی کار فیکٹری کے پھاٹک کے اندر داخل ہو گئی۔

وانچو اپنے دفتر میں جا کر حسب معمول کمپنی کے کاموں میں الجھ گیا۔ اور رات کے حادثے کی اہمیت منیجر کے روز ہونے والے اس ڈریلمنٹ سے زیادہ نہ رہی۔ جس میں ریلوے کی ایک کیرج فیکٹری کے یارڈ کے اندر ڈیریچ ہو گئی تھی اور اس نقصان کے لئے ریلوے نے کوئی چار ہزار روپے کا کلیم کیا تھا۔ اور عدالتی کارروائیوں کے لئے ہرندر پرشاد ایڈوکیٹ کمپنی کے مشیر قانونی موجود ہی تھے۔

پولیس تحقیقات کرتی رہی، تفتیش برابر ہوتی رہی۔ اور اینٹی کرپشن کا بھاری بھر کم جسم والا انسپکٹر، ہسپتال میں پڑا کراہتا رہا۔ اور مضبوط پٹھوں والا نیل کنٹھ بھنگ چڑھا کر ٹھاٹ سے گالیاں بکتا، اور اپنے کوارٹر کے اندر لیٹا ہوا اپنے گلے کی ٹیک اونچی آواز میں آلہا گایا کرتا۔

"اور اگر ہماری بات نہ مانی جائے تو ؟"

"پھر تو کنور صاحب زور کا نتیجہ کچھ اچھا نہیں نکلے گا ۔"

"لیکن دلیپ چند تمہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ میں کمپنی کا مینجنگ ڈائریکٹر ہوں"
کمرے اندر اسی طرح تیز لہجہ میں باتیں ہوتی رہیں۔ آتش دان میں کوئلے چٹخ رہے تھے دہکتے ہوئے سرخ انگاروں کی روشنی میں دانچو کا گنجا سر چمکنے لگا تھا۔ وہ خاموش بیٹھا ہوا اپنا بھدا سا پائپ پیتا رہا۔ دریچہ سے ہوا کے یخ بستہ جھونکے اندر آ رہے تھے اور فیکٹری کے ورکشاپ میں دھڑکتی ہوئی لوہے کی جھنکاروں کا شور سنائی دے رہا تھا۔ باہر بگلی ٹیلکوں کہر کے لچھے منڈلا رہے تھے، اور اس دھند میں لپٹی ہوئی مینجنگ ڈائرکٹر کی خوبصورت کوٹھی اونگھتی ہوئی معلوم ہو رہی تھی جس کے باہر ورانڈے میں نیل کنٹھ دیوار سے پیٹھ کو ٹکائے ہوئے چپ چاپ بیٹھا ہوا تھا۔ ورانڈے میں بالکل اندھیرا تھا اور اس گہری تاریکی میں نیل کنٹھ کا سیاہ آبنوسی جسم آسیب زدہ سائے کی طرح ڈراؤنا معلوم ہو رہا تھا۔

نیل کنٹھ اسی طرح اندھیرے میں خاموش بیٹھا رہا اور جب کبھی دیپ چند تیزی سے بولتا تو وہ چونک کر کمرے کے دروازے کی طرف گھبرا کر دیکھتا۔ جیسے اب کچھ نہ کچھ ہونے ہی والا ہے۔ لیکن دلیپ چند اندر بیٹھا ہوا اطمینان سے باتیں کرتا رہا۔ اس کے چہرے پر ٹیبل لیمپ کے "سینٹر" کی پرچھائیں پڑ رہی ہے اور اس دھندلی روشنی میں اس کا منحنی جسم ناٹک کے کسی مسخرے کی طرح حقیر نظر آ رہا ہے۔ مگر دلیپ چند کمپنی کا چیف اکاؤنٹنٹ ہے اور کمپنی کی غیر قانونی سازشوں میں اس کا کردار بہت اہم ہے۔ یہ بات نیلی آنکھوں والا دانچو بھی جانتا ہے اور اس کی اہمیت مینجنگ ڈائرکٹر کو بھی معلوم ہے۔ جس کو فیکٹری کے اندر سب لوگ کنور صاحب کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ رانی بازار کے علاقہ کا جاگیردار

ہے۔ وہ کاروباری ٹکنیک سے زیادہ گھوڑوں کی نسلیں اور عورتوں کی مختلف قسموں کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے۔ اس لئے کہ اس نے زندگی بھر ریس میں گھوڑے دوڑائے ہیں اور عورت کے جسم پر کسی کیمیاگر کی طرح کوک شاستری تجربے کئے ہیں اور جب سے جاگیرداری پر زوال آنے کی افواہیں سرکاری حلقوں میں گشت کرنے لگی ہیں، اس نے بھی اپنے سرمائے کو محفوظ کرنے کے لئے کسی انڈسٹری میں داخل ہوجانا ہی اپنے حق میں بہتر سمجھا اور اس دوراندیشی نے اس کو کنور شیوراج سنگھ سے ایکبارگی یونائیٹڈ انڈسٹریز کا منیجنگ ڈائرکٹر بنا دیا ہے۔ لیکن کمپنی کا چیف اکاؤنٹینٹ اس کی باتوں سے ذرا بھی مرعوب نہیں ہوا۔ بلکہ اس نے بڑی بے نیازی سے کہہ دیا! وہ

" اور آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ میں کمپنی کا چیف اکاؤنٹینٹ ہوں۔ سارے رجسٹر میرے ہی پاس رہتے ہیں۔"

منیجنگ ڈائرکٹر ایک بار کی برافروختہ ہوکر بولا۔" ٹھیک ہے کہ تمام رجسٹر تمہاری نگرانی میں رہتے ہیں مگر اس بات سے تمہارا مطلب؟"

وہ کہنے لگا چوٹ کھایا ہوا انسان بڑا خطرناک ہوتا ہے، کنور صاحب! آپ میرے ساتھ حق تلفی کریں گے تو میں بھی سارے رجسٹروں کو کل ڈائرکٹروں کی میٹنگ میں پیش کرسکتا ہوں۔"

منیجنگ ڈائرکٹر کے سانس کی رفتار ایک دم سے تیز ہوگئی اور منحنی جسم والے دلیپ چند کو عقابی نظروں سے گھورنے لگا۔ لیکن دلیپ چند بیٹھا ہوا مزے سے اپنی کنپٹی کھجاتا رہا۔ اس لئے کہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ منیجنگ ڈائرکٹر

اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ پوری طرح اس کے قابو میں ہے، دلیپ چند اس کی سازش کے اتنے بڑے راز کا محافظ ہے کہ وہ جس وقت بھی چاہے اس کو نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سیمنٹ اور آئرن جن داموں پر چور بازار میں فروخت ہوتا ہے۔ کمپنی کے رجسٹروں میں ان کی قیمت بہت کم درج کی جاتی ہے۔ اور اس طرح اب تک مینیجنگ ڈائرکٹر نے پوشیدہ طور پر کوئی دو لاکھ روپیہ غبن کر لیا ہے۔ لیکن دلیپ چند کو اپنے اعتماد میں رکھنے کیلئے اس نے دس فیصدی کا شریک دار بنا لیا تھا۔ اور اس بیس ہزار روپے کی ادائیگی کے لئے اس کی نیت بدل گئی۔ اور دلیپ چند کے اکثر توجہ دلانے پر بھی وہ برابر ٹالتا رہا۔ لیکن دلیپ چند یہ طے کر کے آیا تھا کہ آج وہ کچھ نہ کچھ فیصلہ کر کے جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی بڑی لڑکی کرشناوتی کے بیاہ کی بات ایک ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر کے لڑکے سے طے پا چکی ہے۔ گھر اچھا ہے اس لئے کوئی شبھ گھڑی دیکھ کر لگن ہو جانا چاہیئے۔ لیکن اس کے لئے کایستھوں کے رواج کے مطابق ابھی اس کو دس ہزار روپیہ تلک میں دینا ہے۔ ورنہ یہ سگائی نہیں ہو سکتی۔ لیکن مینیجنگ ڈائرکٹر چاہتا ہے کہ بورڈ آف ڈائرکٹرس سے سفارش کر کے اس کی تنخواہ ڈھائی سو روپیہ ماہانہ سے ساڑھے تین سو ماہانہ کرا دے مگر دلیپ چند کو یہ رشوت منظور نہیں ہے۔ اسے بیس ہزار روپیہ چاہیئے ہے اس لئے کہ وہ اپنی لڑکی کا بیاہ جلد ہی کر دینا چاہتا ہے۔

مینیجنگ ڈائرکٹر کا چہرہ جھنجھلاہٹ کے اثر سے برابر غضبناک ہوتا جا رہا ہے۔ اس کی کاروباری زندگی پر جاگیرداری کا روپ برابر حاوی ہوتا جا رہا ہے

پھر ایکبارگی وہ کمپنی کے مینجنگ ڈائرکٹر سے صرف راؤلی بازار کے علاقہ کا کنور شیوراج سنگھ رہ گیا۔ اس نے میز پر زور سے گھونسہ مار کر کہا:

"تم میرے کمرے سے باہر نکل جاؤ" اور پھر وہ چیخ کر زور سے بولا "جاؤ جو تمہارے جی میں آئے کرو"

اور منحنی جسم والا ناٹک کا مسخرہ مسکین سی شکل بنائے ہوئے خاموشی سے اٹھ کر دروازے کے باہر چلا گیا۔ کمرے کے اندر گہری خاموشی چھا گئی۔ آتش دان میں دہکتے ہوئے کوئلے کبھی کبھی چٹخنے لگتے ہیں۔ اور باہر لان میں دلیپ چند کے قدموں کی آہٹ سنائی دے رہی ہے پھر وانچو نے اپنا بجھا پائپ میز پر رکھ دیا۔ اور مینجنگ ڈائرکٹر سے کہنے لگا:۔

"کنور صاحب یہ آپ نے کیا کر دیا؟"

"کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ کل سویرے ہی اس کو نوٹس دے کر نوکری سے علیحدہ کر دو"

وانچو گھبرا کر بولا "لیکن اس طرح سے تو کام نہیں چلے گا۔ بلکہ اب تو وہ اور بھی آسانی سے ہم کو بلیک میل کر سکتا ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس ہمارے خلاف بہت سے ڈکومینٹری ثبوت موجود ہیں۔"

کنور شیوراج سنگھ گہری خاموشی میں کھو گیا اور خود کو بڑا بے بس محسوس کرنے لگا۔ پھر اس نے بڑی بے چارگی سے کہا "اچھا تو اب کچھ تم ہی کرو"

وانچو کہنے لگا "آپ ذرا اندر کوٹھی میں تشریف لے جائیں، سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میرے ہوتے ہوئے بھلا آپ پر کوئی حرف آ سکتا

ہے"

کنور شیوراج سنگھ نے خاموشی سے اس کی طرف دیکھا اور پھر کرسی پر سے اٹھ کر وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ اس کے چلے جانے کے بعد وانچو نے نیل کنٹھ کو اندر کمرے میں بلایا اور اس سے کہنے لگا:۔

"نیل کنٹھ مہاراج، دیکھو دلیپ چند ابھی زیادہ دور نہ گیا ہوگا۔ تم جاکر اس کو بلا لاؤ، کہنا کہ سکریٹری صاحب نے بلایا ہے" اور نیل کنٹھ تیز تیز قدموں سے کوٹھی کے باہر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ لوٹا تو اس کے ہمراہ دلیپ چند بھی تھا۔ نیل کنٹھ پھر جاکر برانڈے میں ٹھہر گیا اور وانچو دلیپ چند سے کہنے لگا:

"اکاؤنٹنٹ صاحب آپ بھی خوب آدمی ہیں بوڑھے ہونے کو آ گئے۔ مگر مزاج پہچاننا آپ کو ابھی نہیں آیا۔ بھلا اس طرح بھی کوئی بات طے ہوتی ہے"

لیکن دلیپ چند بھی کم سیانا نہ تھا۔ وہ پہلے ہی بھانپ گیا تھا کہ اس کا "ترپ" ٹھیک پڑا ہے اور اب وہ اس کے قابو سے نکل کر جا نہیں سکتے۔ اس دفعہ وہ بھی ذرا تیزی سے بولا "مگر سکریٹری صاحب یہ تو دیکھئے کنور صاحب تو میرا گلا کاٹنے پر تلے ہوئے ہیں۔ آپ ہی بتا دیجئے کہ میں کرتا ہی کیا"

وانچو اپنے خاص انداز میں ہنسنے لگا "کمال کر دیا آپ نے۔ اتنا تو آپ جانتے ہی ہیں کہ زندگی میں پہلی بار وہ اس کاروباری بکھیڑے میں آکر پھنسے ہیں۔ انھوں نے تو ہمیشہ حکم چلائے ہیں۔ اور اپنی جاگیر میں من مانی حکومت کی ہے۔ دیکھئے رئیسوں سے بات کرنے کا اور ہی گر ہوتا ہے۔ ان کے سامنے

تو ہر بات پر بس ہاں کرتے جائیے۔ پھر جو کام جی چاہے ان سے کرا لیجئے"

اور دلیپ چند نے جیسے اپنی غلطی کو تسلیم کر لیا ہو۔ ذرا پشیمانی کے سے انداز میں کہنے لگا "اب کیا عرض کروں سکریٹری صاحب۔ مجھے بھی اس وقت نہ معلوم کیا سوجھی کہ ان کے سامنے ذرا تیزی سے بات کرنے لگا۔ دراصل میں اپنی لڑکی کی منگائی کے سلسلے میں ادھر بڑا پریشان ہوں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ میں بواسیر کا پرانا مریض ہوں۔ روز بروز تندرستی گرتی جا رہی ہے اپنی زندگی میں ہی اس کے ہاتھ پیلے کر دوں بس اب تو یہی لگن ہے"

دانچو ہمدردی کرنے لگا "جی ہاں لڑکی کا ہونا ہی اس سوسائٹی میں اچھی خاصی مصیبت ہی ہے لیکن بات کے اس پہلو پر آپ نے زور دیا ہوتا تو بھلا کنور صاحب انکار کر سکتے تھے۔ انھوں نے لاکھوں روپیہ ریس بازی پر تباہ کیا ہے۔ کیا اس کنیادان کیلئے وہ کچھ نہ کرتے"

"اچھا تو آپ ہی بتائیے کہ میں کیا کروں؟"

دانچو کہنے لگا "کہئے گا کیا۔ کنور صاحب نے جب آپ سے وعدہ کیا ہے تو آپ کو اپنا روپیہ ملے گا"

منحنی جسم والے دلیپ چند کے روکھے چہرے پر ایکبارگی زندگی کی رمق ہویدا ہو گئی۔ وہ مسکرا کر بولا "آپ خوامخواہ مجھ کو شرمندہ کر رہے ہیں" پھر اس نے میز کی دراز میں سے کنجی نکالی اور دلیپ چند کے سامنے اس کو ڈال کر کہنے لگا، "لیجئے ذرا سیف میں سے چیک بک نکال لیجئے میں آپ کے لئے ابھی چیک تیار

کئے دیتا ہوں۔ اسوقت تو کنور صاحب کا موڈ بگڑا ہوا ہے سویرے آفس
پہنچنے سے پہلے ہی ان سے دستخط کروا کے آپ کو چیک دے دوں گا۔ آپ بالکل اطمینان
رکھیں"۔

اور دلیپ چند جیسے واقعی مطمئن ہو گیا۔ اس نے کچھ بھی نہ کہا۔ اور
چپ چاپ گھبرائے ہوئے انداز میں کنجی اٹھائی اور دیوار کے پاس کھڑے
ہوئے آہنی سیف کے پاس پہنچ گیا۔ پھر دلیپ چند نے اس کے اوپر لگے
ہوئے گہرے سبزی مائل چھوٹے بلب کو دیکھا جو اپنی ایک آنکھ سے اس کی
طرف گھور رہا تھا۔ گویا خطرے کی کوئی بات نہیں ہے۔ اس نے تالے کو
کھول کر دروازے کو باہر کی طرف کھینچ لیا آہنی سیف کا اندرونی حصہ منہ پھاڑے
ہوئے نظر آنے لگا اور وانچو گردن موڑے ہوئے مجرمانہ نظروں سے یہ
سب کچھ دیکھتا رہا اور جیسے دلیپ چند نے آہنی سیف کے نچلے خانے کا ہینڈل
مضبوطی سے پکڑ کر اس کو کھولنا چاہا اسی وقت وانچو نے دیوار میں لگے ہوئے
سوئچ کو دبا دیا۔ دلیپ چند ایکا ایکی بڑی بھیانک آواز سے چیخا۔ پھر اس کے کراہنے
کی دبی، دبی آوازیں گہری خاموشی میں ہانپنے لگیں اور وانچو نے تیزی سے
کمرے کے اندر اندھیرا کر دیا۔ آتش دان کی گہری سرخ روشنی میں اس کا بے ہنگم
سایہ سامنے والی دیوار پر بڑا مہیب نظر آنے لگا۔ دلیپ چند کے حلق کے
اندر سے بلیوں کے غرانے کی سی خوفناک آوازیں نکل رہی تھیں اور باہر فیکٹری
کے ورکشاپ میں لوہے کے ٹکرانے کی جھنکاریں دھڑک رہی تھیں۔ ہر طرف
گہرا دھندلکا چھایا ہوا تھا اور کمرے کی آسیب زدہ تاریکی میں کھڑا ہوا

وانچو بڑا پُراسرار معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں وحشت تھی اور اس کے گنجے سر پر پسینے کی نمی آگئی تھی۔ پھر وہ خواب میں بھٹکنے والے سایوں کی طرح آہستہ آہستہ قدم رکھتا ہوا آہنی سیف کے قریب جا کر ٹھہر گیا۔ اور ذرا دیر تک بالکل ساکت کھڑے رہنے کے بعد اس نے دلیپ چند کی طرف دیکھا جس کا ہاتھ ابھی تک ہینڈل سے الجھا ہوا تھا۔ اور وہ فرش پر خاموش پڑا ہوا تھا۔ دھندلی روشنی میں اس کی کھنچی ہوئی آنکھیں بڑی ڈراؤنی معلوم ہو رہی تھیں۔ لیکن وانچو خوفزدہ نہ ہوا۔ کھڑا ہوا اس کو چپ چاپ دیکھتا رہا۔ پھر اس نے نیل کنٹھ کو آواز دی۔ اور نیل کنٹھ سہمی ہوئی آواز میں بولا:۔

"کیا حکم ہے سکریٹری صاحب؟"

وانچو کہنے لگا "جاؤ ورانڈے میں لگے ہوئے سوئچ کو آف کر دو۔ اور اس کے بعد کمرے کے اندر چلے آنا"

باہر قدموں کی آہٹ سنائی دی۔ پھر آہنی سیف پر جلتا ہوا سرخ رنگ کا چھوٹا سا بلب بھی بجھ گیا۔ اب خطرے کی کوئی بات نہیں تھی اور اس کے ساتھ ہی دلیپ چند کا ہاتھ ہینڈل سے چھوٹ گیا اور اس کا بے جان جسم فرش پر ایک طرف لڑھک گیا۔ پھر ذرا دیر بعد کمرے کا دروازہ کھلا اور نیل کنٹھ اندر آگیا وانچو اس سے کہنے لگا:۔

"اس کو اٹھا کر باہر لان میں لے جاؤ۔ میں ذرا دیر میں ابھی آتا ہوں" اس کی آواز میں دبی ہوئی تھرتھراہٹ تھی۔

نیل کنٹھ نے ایک بار پھر پور نظروں سے وانچو کو دیکھا۔ جیسے وہ پوچھ رہا ہو کہ کیا یہ مر گیا؟ پھر اس نے دلیپ چند کی لاش کو اٹھا کر اپنی چوڑی چکلی پیٹھ پر

لاد لیا اور کسی کیڑے کی طرح کمر کو جھکائے ہوئے سنبھل سنبھل کر قدم رکھتا ہوا کمرے سے باہر چلا گیا۔ پھر وانچو نے دیوار پر لگے ہوئے آہنی سیف کے سوئچ کو احتیاطاً دبا کر "آف" کر دیا اور اپنی کوٹ کی جیب میں سے ٹارچ نکال کر اس کو روشن کیا۔ پھر اس کی تیز روشنی میں وہ سیف کے پاس پہنچا اور اس کی پشت پر لگے ہوئے فلکس ایبل وائر کو علیحدہ کر دیا اور دیوار میں لگے ہوئے برہنہ الیکٹرک وائر پر لڈ شیٹ چڑھا کر دونوں اسکرو، اچھی طرح کس دیئے۔ لیکن ابھی تک آہنی سیف کا اندرونی حصہ منہ پھاڑے ہوئے نظر آرہا تھا۔ اور جب وہ اس کے دروازے کو بند کرنے لگا تو ایک بار گی اس کو دلیپ چند کی پھٹی ہوئی آنکھیں یاد آگئیں۔ اس کا سارا جسم لرز اٹھا اور آتش دان کے اندر دہکتے ہوئے انگارے کسی جلتی ہوئی چتا کی طرح چیخنے لگے۔ وانچو کی سانس اب تیزی سے چلنے لگی اور وہ بدحواس سا کمرے کے باہر چلا گیا۔ کوٹھی کے اندر بالکل تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس نے جلدی میں سوئچ "آن" کر دیا۔ اور ایک دم سے دریچوں پر روشنی کی ہلکی ہلکی لہریں جھلملانے لگیں۔ اسوقت کوٹھی کے اندر سے کنور صاحب کے کھانسنے کی آواز سنائی دی۔ مگر اس نے ادھر کوئی توجہ نہ دی اور تیزی سے ورانڈے کی سیڑھیوں پر سے اترتا ہوا باہر لان میں چلا گیا۔ جہاں نیل کنٹھ کھڑا ہوا اس کا انتظار کر رہا تھا۔ وانچو نے سرگوشی کے سے انداز میں اس کو دھیرے سے آواز دی اور دونوں گہری دھند میں کھوئے ہوئے آہستہ آہستہ چلنے لگے۔ ان کے قدموں کی دبی، دبی آہٹ سنسان راستے پر دور تک سنائی دیتی رہی۔!

رات گئے جب نیل کنٹھ اپنے کوارٹر واپس آیا تو دھندلی روشنی
میں اس نے ایک دبلے پتلے بچے کو دیکھا جو سردی سے ٹھٹھرا ہوا کھڑا تھا
اس نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا کہ وہ دلیپ چند اکاؤنٹینٹ کا لڑکا منا تھا
اور ٹھٹھرائی ہوئی آواز میں بوڑھے چوکیدار کو پکار رہا تھا "پربھو بابا رے
پربھو بابا" اور پھر پربھو بابا اندر سے کھانستا ہوا باہر نکلا اور اس کو دیکھتے ہی
حیرت سے بولا۔

"ارے تم اس سمے کہاں نکل پڑے۔ ہائے رام، کتنے زوروں کا جاڑا
پڑ رہا ہے"

سردی سے سکڑا ہوا منا کہنے لگا "بابوجی ابھی تک گھر نہیں گئے۔ ماں
جی گھبراتی ہیں۔ سو انھوں نے مجھ کو پوچھنے کے لئے بھیجا ہے اور کرشنا دیوی تو
رات کو نکلتی نہیں"

بوڑھا چوکیدار کہنے لگا کہ وہ کنور صاحب کی کوٹھی پر گئے ہوں گے۔
میں ابھی جا کر ان سے کہہ دوں گا۔ چلو پہلے میں تم کو کوارٹر تک چھوڑ آؤں۔
اور وہ لڑکے کو اپنے ہمراہ لے کر چل دیا۔ نیل کنٹھ اندھیرے میں کھڑا ہوا سب کچھ
دیکھتا رہا۔ پھر ایک بارگی اس نے سنا کہ منا ٹھہر کر کہنے لگا تھا:

"پربھو دادا تم جا کر بابوجی کو لے آؤ۔ میں کوارٹر چلا جاؤں گا۔ تم جلدی سے
آجانا۔ وہ ننھی "بلو" ہے نا بابوجی کے بنا اس کو نیند نہیں آتی خوب زور زور سے
روتی ہے"

اور جیسے نیل کنٹھ کے کان کے پاس کوئی سرگوشی کے سے انداز میں کہنے

لگا۔ جاؤ منا اب تمہارے بابوجی کبھی نہیں آئیں گے۔ اور ننھی بلو روتے روتے ان کے بغیر ہی سو جائے گی۔ وہ فیکٹری کے پاور ہاؤس سے اندر چپ چاپ پڑے ہیں۔ نہ کچھ بولتے ہیں نہ کسی کی کچھ سنتے ہیں۔ تمہاری آواز اب ان تک نہیں پہنچ سکتی اور نیل کنٹھ محسوس کرنے لگا کہ جیسے وہ بہت تھک گیا ہے۔ اس کا مضبوط پٹھوں والا جسم موم بتی کی طرح پگھلنے لگا ہے اور اس کے چاروں طرف جیسے دبی دبی سسکیاں دھڑک رہی ہیں پھر وہ خواب کے سے عالم میں آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کوارٹر کے دروازے پر پہنچا اور اس کو کھٹکھٹانے لگا۔ لیکن اس شور سے وہ اچانک چونک پڑا اور اس کو یاد آگیا کہ دروازہ تو اندر سے بند ہے پھر کوارٹر کی پشت پر جا کر صحن کی پچھلی دیوار کو پھاند کر اندر آگیا۔ بالکل اسی طرح جیسے وہ ڈمڈم جیل کی پتھروں والی اونچی دیوار کو پھاند کر رات کے سناٹے میں فرار ہوا تھا۔ اس کے پیچھے گشت کرنے والے پہریداروں کی بھیانک سیٹیاں دیر تک چیختی رہیں۔ اور پھر اپنے کمرے کے اندر لیٹا ہوا وہ بڑی دیر تک نہ جانے کیا اوٹ پٹانگ قسم کی باتیں سوچتا رہا۔

دوسرے دن فیکٹری کے تمام ڈیپارٹمنٹ بند رہے۔ اس لئے کہ چیف اکاؤنٹنٹ دیپ چند کی اچانک موت ہو گئی تھی۔ اس کی لاش پاور ہاؤس کے اندر پائی گئی۔ اس نے الیکٹرک کھمبے پر سوئچ "بس بار" کو غلطی سے چھو لیا تھا اور اس حادثہ سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ اس اطلاع کے ساتھ ہی فیکٹری کے یارڈ میں یہ بھی سرگوشیاں ہو رہی تھیں کہ دیپ چند نے خودکشی کر لی اور اس کی وجہ جاننے کے لئے کتنی ہی قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں۔ لیکن سہ پہر کو پروگرام

کے مطابق ڈائرکٹرز کی میٹنگ ہوئی اور کنور شمبھو راج سنگھ کی سفارش پر دیپ چند کے بے سہارا خاندان کے لئے پانچ ہزار کی رقم گزارے کے لئے منظور کر دی گئی۔

فیکٹری کی تعمیر ایک نئی سمت بڑھتی جارہی ہے۔

پھاگن کی مہکی ہوئی ہوائیں چلنے لگی ہیں اور ان تیز ہواؤں میں سرسوں کے گہرے زرد پھولوں کی ڈالیاں جھومنے لگتی ہیں۔ اور کھیتوں میں جیسے بسنتی آنچل لہرا جاتے ہیں۔ کھیتوں میں رات گئے تک ڈھولک اور جھانجھیں بجا کرتی ہیں اور ہولی کے راگ اونچے سروں میں گائے جاتے ہیں۔ پھر گاؤں کے اندر بڑے بڑے الاؤ دہکنے لگیں گے اور عبیر و گلال اڑنے لگے گا۔ پھاگن کی ہوائیں چیختی پھر رہی ہیں کہ ہولی آرہی ہے۔ ہولی آرہی ہے۔ پھر گیہوں کی لہلہاتی ہوئی کھیتیاں کٹنا شروع ہو جائیں گی اور دور کے شہروں میں کام کرنے والے گاؤں کے لوگ موسم سرما میں جھیلوں پر اکٹھا ہونے والے آبی پرندوں کی طرح اپنی بستیوں میں آنا شروع ہو گئے ہیں۔ یونائیٹڈ انڈسٹریز لمیٹڈ فیکٹری کے یارڈ میں مزدوروں کا شور روز بروز مدھم پڑتا جارہا ہے۔ فصلوں کی کٹائی کرنے کے لئے کمپنی کے سارے قلی دھیرے دھیرے فیکٹری کا کام چھوڑ کر جانے لگے ہیں۔ کمپنی نے گھبرا کر ان کی کئی ہفتہ کی مزدوری روک لی ہے۔ اس بات سے قلیوں کے روکھے چہروں پر ہر وقت جھنجھلاہٹ چھائی رہتی ہے۔ وہ ٹائم کیپر آفس میں اکٹھا ہو کر زور زور سے چلاتے ہیں ــ

"یہ مزدوری کیوں نہیں ملتی، ایسا کیوں ہو رہا ہے؟"

"یہ سب کیا ہے؟ ہولی کا تہوار آ رہا ہے، ہم کو پیسہ چاہیئے ہے۔"

"ہاں ہم کو اپنی مزدوری چاہیئے ہے، ہم کو اپنی مزدوری چاہیئے ہے۔"

لیکن مزدوری ابھی نہیں مل سکتی اسلئے کہ کمپنی چاہتی ہے کہ شوگر کا پلانٹ جلدی ہی تعمیر ہو جائے۔ نہیں تو کمپنی کا بہت نقصان ہو جائے گا۔ مگر مزدور لوگ اس کے باوجود بھی نہیں ٹھہرتے وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے ہیں۔ سب کو گالیاں دیتے ہیں۔ پھر کسی روز تاروں کی چھاؤں میں اٹھ کر اپنی بستی کو چل دیتے ہیں ان باتوں کو دیکھ کر بورڈ آف ڈائرکٹرز کی امرجنسی میٹنگ بلائی گئی اور یہ طے ہوا کہ قلی لوگوں کا ریٹ بڑھا دیا جائے۔ اس لئے کہ فیکٹری کی تعمیر میں کسی قسم کی تاخیر نہیں ہونا چاہیئے۔ پھر اس کے بعد مزدوری کے ریٹ بڑھنا شروع ہو گئے۔

ایک روپیہ چھ آنے یومیہ!

ایک روپیہ دس آنے یومیہ!

ایک روپیہ چودہ آنے یومیہ!

مگر ان تینوں ہفتوں میں ریٹ بڑھانے کا تجربہ بھی کچھ کارگر ثابت نہ ہوا۔ بلکہ ہولی کا الاؤ دہکتے ہی مزدوروں نے اور بھی تیزی سے کام سے فرار ہونا شروع کر دیا۔ ہر روز ٹائم کیپر رجسٹر لے کر منیجنگ ڈائرکٹر کے آفس میں جاتا اور سہمی ہوئی آواز میں رپورٹ سناتا۔ منیجنگ ڈائرکٹر جھنجھلا کر مزدوروں کے ساتھ سہمے ہوئے ٹائم کیپر کو بھی گالیاں دینے لگتا۔ پھر ایک روز اس نے وانچو کو اپنے دفتر میں بلایا اور پریشانی کے عالم میں کہنے لگا:

مسٹر وانچو آخر یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ یہ ریٹ اس طرح کب تک بڑھایا جائے گا۔"

مگر وانچو بھی کچھ گھبرایا ہوا نظر آ رہا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ کہنے لگا:۔

"کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کنور صاحب! بات یہ ہے کہ یہ ترائی کا علاقہ ہے۔ یہاں کی زمین بڑی زرخیز ہے۔ اس دفعہ بھی سن رہا ہوں کہ فصلیں بہت اچھی رہی ہیں۔ راشن کا زمانہ ہے کسانوں کے ٹھاٹ ہو گئے ہیں اب انھیں یہ فیکٹری کی نوکری کیا اچھی لگے گی اور یہ زمینداری ابالیشن کی خبروں نے تو ان کا اور بھی دماغ خراب کر دیا ہے۔"

وہ اور بھی پریشان ہو کر بولا "تم نے تو پوری کتھا سنانا شروع کر دی۔ اس طرح کیسے کام چلے گا۔ یہ بتاؤ کہ لیبر کا کیسے بندوبست ہو۔"

وانچو ذرا دیر تک منیجنگ ڈائرکٹر کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر وہ بڑے اعتماد سے بولا "میری سمجھ میں تو ایک ہی بات آئی ہے۔ لیکن اس میں خطرہ بھی ہے اور روپیہ بھی اچھا خاصا خرچ ہو گا۔

منیجنگ ڈائرکٹر جلدی جلدی کہنے لگا "ذرا اپنے کو بچا کر کام کرنا اور روپے کی تم فکر نہ کرو میں ڈائرکٹروں سے نپٹ لوں گا اور یوں بھی کچھ کم خرچ ہو رہا ہے۔ اگر آئندہ سیزن تک فیکٹری اسٹارٹ نہ ہوئی تو یہ سمجھ لو کہ کمپنی دیوالیہ ہو جائے گی۔"

وانچو پوچھنے لگا "آپ کے خیال میں یہ بنگالی کیمسٹ سانیال کیسا آدمی ہے۔ اس پر اعتبار کیا جا سکتا ہے؟"

وہ گردن ہلا کر بولا "میں سمجھتا ہوں کہ آدمی تو وہ کام ہے۔ اناکرسٹ پارٹی میں کئی سال تک رہ چکا ہے۔ انھیں دنوں پولیس نے ایک بار گرفتار کر لیا تھا بہت بری طرح اس کو ٹارچر کیا مگر اس نے ذرا بھی سراغ نہ دیا۔ تم اس پر اعتبار کر سکتے ہو"

پھر وانچو نے چپراسی کو آواز دی اور اس کو سانیال کے بلانے کو بھیج دیا۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد بھورے چہرے والا کیمسٹ دفتر کے اندر آ گیا۔ وانچو نے خاموشی کے ساتھ اس کا گہری نظروں سے جائزہ لیا اور پھر پوچھنے لگا "مسٹر سانیال نومبر کے مہینہ میں آپ کمپنی کے کام سے بمبئی بھیجے گئے تھے اور جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، وہاں آپ نے گورنمنٹ لیبارٹری سے بھی کچھ مشورہ کیا تھا۔ وہاں کوئی آپ کا جاننے والا تو نہیں ہے۔؟"

بھدے چہرے والا سانیال ذرا دیر تک غور کرنے کے بعد بولا "جی ہاں! میری وائف کے ایک رشتے دار اس میں کام کر رہے ہیں، جن کے فلیٹ میں دو روز تک میں ٹھہرا بھی تھا۔"

اور وانچو کا گھبرایا ہوا چہرہ ایک بارگی جیسے دمک اٹھا۔ وہ چٹکی بجا کر بولا "پھر تو سب کچھ ٹھیک ہے۔ دیکھئے آج رات کی گاڑی سے دہلی چلے جائیے اور وہاں سے ہوائی جہاز کے ذریعہ بمبئی پہنچ جائیے، آپ کو گورنمنٹ لیبارٹری کے ذریعہ ایک بڑا اہم کام کرنا ہے۔" اور اس کے جواب کا انتظار کئے بغیر اس نے ٹیلی فون اٹھا کر دہلی کے واسطے سیٹ کی ریزرویشن کے لئے اسٹیشن ماسٹر سے گفتگو کی اور سہ پہر تک دس ہزار روپیے کا ڈرافٹ بنوا کر اس کو دیدیا۔ پھر شام کے وقت منیجنگ ڈائرکٹر

کی کوٹھی پر سانیال وانچو کے ساتھ بند کمرے کے اندر دیر تک رازدارانہ باتیں کرتا رہا اور پروگرام کے مطابق شب کی ٹرین سے دہلی روانہ ہو گیا۔

پانچویں دن فیکٹری میں سانیال کا بمبئی سے ٹیلی گرام آیا۔ لکھا تھا۔ "ہارڈویر کا بازار بہت خراب ہے۔ کرشنگ سلنڈر ابھی تک نہیں ملا!"

وانچو نے تار کو کئی بار پڑھا اور اپنے دفتر میں خاموش بیٹھا ہوا "ریڈ گڈ نیوز" پر غور کرتا رہا۔ پھر کئی روز اور گذر گئے۔ لیکن کوئی اطلاع نہیں ملی اور وانچو کی بے چینی بڑھنے لگی۔ اس پریشانی میں اس کے رخساروں کی ابھری ہوئی ہڈیاں اور نمایاں معلوم ہونے لگی تھیں۔ پھر ایک روز فیکٹری کا کیمسٹ سراسیمگی کے عالم میں اس کے دفتر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے کے بھدے نقوش گھبراہٹ سے دھندلے معلوم ہو رہے تھے۔ وانچو کرسی پر خاموش بیٹھا ہوا اس کو غور سے دیکھتا رہا۔ پھر اس نے آہستہ سے پوچھا۔

"کیا خبر لائے ہو؟"

"کام تو بن گیا؟"

وانچو مسکرانے لگا۔ "تو پھر تم اتنے پریشان کیوں ہو؟"

سانیال دروازے کی طرف مڑ مڑ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس کے قریب جھک کر کہنے لگا۔ "مجھے ایک شخص پر شبہ ہوا ہے کہ وہ بمبئی سے میرا پیچھا کر رہا ہے۔"

وانچو لحظہ بھر کے لئے گہری خاموشی میں ڈوب گیا۔ پھر اس نے بڑے اعتماد کے ساتھ کہا۔

"اچھا آپ جا کر ذرا نہا دھو کر کچھ آرام کیجئے۔ اس قدر گھبرانے کی کوئی بات نہیں سب

کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

سانیال ذرا دیر تک خاموش کھڑا رہا۔ پھر دفتر سے باہر چلا گیا۔ اور وانچو آہستہ آہستہ چلتا ہوا کھڑکی کے قریب جا کر کھڑا ہو گیا۔ بھدے چہرے والا کیمسٹ فیکٹری کے پھاٹک سے نکل کر اپنے کوارٹر کی طرف جا رہا تھا۔ وانچو چپ چاپ کھڑا ہوا دیکھتا رہا اور جب ایک موڑ پر وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو وہ پھر اپنی میز پر آ گیا اور ٹیلی فون اٹھا کر منیجنگ ڈائرکٹر کو رنگ کیا۔ وہ کوٹھی پر موجود تھا۔ وانچو نے بنگالی کیمسٹ کے آنے کی اس کو اطلاع دی اور خود بھی دفتر سے نکل کر کنور صاحب کی کوٹھی کی طرف چل دیا۔

اور جب رات ذرا ڈھل گئی اور گہرے سناٹے میں ہواؤں کا شور تیز ہو گیا تو وانچو نے فیکٹری کی جیپ اسٹارٹ کی جس کی پچھلی سیٹ پر آبنوسی جسم والا نیل کنٹھ بیٹھا ہوا تھا فیکٹری کے احاطہ سے نکل کر جیپ روشن نگر روڈ کی طرف مڑ گئی۔ تیرہ میل تک پختہ سڑک ہے اس لئے جیپ سنسناتی ہوئی تیزی کے ساتھ گزرتی رہی۔ مگر جب ناہموار کچی سڑک آ گئی تو جیپ کو جھٹکے لگتے اور وہ کھڑکھڑانے لگتی لیکن وانچو خاموشی سے بیٹھا ہوا اس کو ڈرائیو کرتا رہا اس کے چہرے پر بڑا پراسرار سکوت چھایا ہوا تھا۔ اور نیل کنٹھ پچھلی سیٹ پر بیٹھا ہوا سوچتا رہا کہ جھٹکوں سے اس کا سر بوجھل ہوتا جا رہا ہے۔ باہر پھاگن کی ہوائیں چل رہی ہیں پھاگن کی ہوائیں جو ہولی کا سندیسہ لاتی ہیں۔ اور ہولی جو اب ختم ہو چکی ہے۔ اب گیہوں کی فصلیں کٹ رہی ہیں اور ہنسیا کی تیز باڑھ سے لہلہاتی ہوئی گیہوں کی بالیاں کھیتوں ———

میں ڈھیر ہو جاتی ہیں، جانے اشیر گڈھ کے خوبصورت گاؤں میں اب بھی نیل کنٹھ مہاراج کو کوئی یاد کرتا ہے۔ جس کی کٹائی کا چوپال پر بڑا چرچا ہا کرتا تھا اور ایکا ایکی بانبی لے پر چھو منے والے ناگ کی طرح وہ بے ہوشی کے عالم میں بڑبڑانے لگا۔"

"میں ایک کسان ہوں، ہاں میں کسان ہوں۔!"

پھر کسی نے فوراً ہی اس کا گلا دبوچ لیا، نہیں تو مجرم ہے، تو مجرم ہے۔ پولیس تیرا وارنٹ لئے ابھی تک تلاش کر رہی ہے۔

نیل کنٹھ نے چونک کر دیکھا۔ سامنے وانچو اطمینان سے اسٹرنگ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور پتھریلی سڑک پر جیپ ہچکولے کھا رہی تھی۔ اور ستاروں کی مدھم روشنی میں کوہستانی چٹانیں سایوں کی طرح کوسوں تک پھیلی ہوئی تھیں۔ پھر ایک بارگی وانچو نے جیپ کو نیچے ڈھلوان پر گھما دیا۔ نیل کنٹھ گھبرا کر اپنی سیٹ سے چمٹ گیا۔ لیکن جیپ ڈگمگاتی ہوئی آہستہ آہستہ گنجان درختوں کے نیچے کچھ دور تک چلتی رہی اور پھر گہرے اندھیرے میں جا کر ٹھہر گئی۔ اور دونوں اتر کر نیچے آ گئے۔ وانچو نے آگے والی سیٹ کے نیچے سے ایک ڈائنا مائٹ کے بھاری کیس کو باہر نکالا۔ یہ ڈائنا مائٹ جس کو فیکٹری کا کیمسٹ اپنی سے اپنے ہمراہ لایا تھا۔ جس کو گورنمنٹ لیبارٹری سے سمگل کیا گیا تھا اور جس پر کمپنی کا نو ہزار سے زیادہ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ پھر نیل کنٹھ نے اس کو اپنے مضبوط ہاتھوں میں سنبھال لیا اور دونوں اندھیرے میں چلنے لگے ان کے قدموں کے نیچے خشک پتے کھڑکھڑا رہے تھے اور درختوں سے الجھتی ہوئی کوہستانی ہوائیں ہانپتی ہوئی معلوم ہو رہی تھیں۔ اندھیرا بہت گہرا تھا اور پتھریلی چٹانوں میں بہنے والی کوکیلا ندی کا شور سنائی دینے لگا

تھا۔ دونوں اسی طرح کئی فرلانگ تک چلتے رہے۔ پھر ایک جھکے ہوئے ٹیلے پر سے گزر کر جب وہ نشیب میں پہنچے تو پتھروں سے ٹکراتا ہوا دریا کا شور بڑا ہیبتناک معلوم ہونے لگا تھا۔ اس وادی میں کوکیلا ندی کا بہاؤ بہت تیز ہے۔ دونوں طرف سے بلند کوہسار ہیں اور جہاں پر دریا کا دھارا بہت تیز ہو گیا ہے۔ اس مقام پر پہرکاری ڈیم بنا ہوا ہے۔ گورنمنٹ نے ہائیڈرو الیکٹرک پیدا کرنے کے لئے اس کو تعمیر کروایا ہے۔ اس "باندھ" کے پاس پانی گرجتا ہوا اونچائی پر سے گرتا ہے اور قریب ہی میں پتھروں کی بنی ہوئی چھوٹی سی عمارت ہے۔ جس کے سامنے دو پہرے دار سنگینوں کو سنبھالے مستعدی سے کھڑے رہتے ہیں۔

پھر وانچو کی ہدایت کے مطابق نیل کنٹھ ڈائنامائٹ کو سنبھالے ہوئے آہستہ آہستہ بکھرے ہوئے پتھروں پر چلنے لگا۔ اور وانچو، اسکے وائر کو مضبوطی سے پکڑے ہوئے پتھریلی چٹانوں کے اندھیرے میں بیٹھا رہا۔ اسکی دیکھتی نظریں سامنے پتھروں پر جاتے ہوئے نیل کنٹھ کا پیچھا کرتی رہیں، ڈیم کے پاس پہنچ کر اچانک وہ اندھیرے میں غائب ہو گیا اور دریا سے کوکیلا کا تیز دھارا ڈیم کے نیچے گرجتا رہا۔ اس مہیب شور میں جیسے آگن کی ہوائیں جیسے سو گئیں تھیں اور سر بلند کوہسار خوابوں میں ڈوبے ہوئے معلوم ہو رہے تھے۔ پھر ایکا ایکی ڈیم کے اوپر دھندلی روشنی میں ایک انسانی سایہ لہرایا اور اسی وقت پتھریلی عمارت کے نزدیک کھڑے ہوئے پہریدار نے چیخ کر کہا۔

"ہالٹ"

"کون ہے، ٹھہر جاؤ"

اور اس کے ساتھ ہی بندوق کی تیز آواز وادی کے اندھیرے میں گونج گئی لیکن

نیل کنٹھ آہنی گارڈر سے چمٹا ہوا ڈائنامائٹ "کو فٹ" کرتا رہا۔ گولی اس کی کنپٹی کے پاس سے ایک بار زن سے گزر گئی۔ وانچو اندھیرے میں بیٹھا ہوا پیاسی ہوئی نظروں سے ڈیم کی طرف دیکھتا رہا۔ ایک دفعہ پھر بندوق کی آواز کوہستانی چٹانوں میں چیخنے لگی اور اس کی دھمک کو پہاڑوں کی گہرائی میں دیر تک ہانپتی رہی۔ وانچو کا جسم تھر تھرا کر رہ گیا۔ پھر ایک دم سے ڈائنامائٹ کا واٹر زور زور سے ہلنے لگا۔ گویا اب اسے اپنا کام شروع کر دینا چاہیئے۔ مگر نیل کنٹھ ابھی تک کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔

کوئی ایک منٹ اس کے انتظار میں گزر گیا۔

پھر کئی منٹ بڑی بے چینی کے عالم میں گزر گئے۔!!

وانچو نے ایک بار جی جھنجھلا کر سوچا کہ وہ ڈیم کو اڑا دے۔ اس لیے کہ اب زیادہ تاخیر کرنا بہت خطرناک تھا۔ لیکن خطرے کے شدید احساس کے باوجود بھی وہ کچھ نہ کر سکا اس لئے کہ اگر نیل کنٹھ ڈیم کی تباہی کے ساتھ ہی مر گیا اور بعد میں اس کی لاش کی شناخت کر لی گئی تب تو بہت بڑا خطرہ پیدا ہو جاتا۔ اور یہی سوچ کر وہ بڑے اذیت ناک لمحوں سے گزرتا رہا۔ اور سامنے ڈیم کی طرف دیکھتا رہا۔ آخر رات کی مدھم روشنی میں نیل کو کبڑا جسم نظر آیا۔ وہ پتھروں سے جھکا ہوا آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ جب وہ بالکل قریب آگیا تو وانچو نے آہستہ سے صرف اتنا پوچھا "سب ٹھیک ہے!"

اور نیل کنٹھ نے اثبات میں اپنی گردن ہلا دی وانچو نے مزید تاخیر کئے بغیر ایکبارگی ڈائنامائٹ کو "آن" کر دیا اور پھر کوہستانی وادی میں بڑی ہیبت ناک گڑگڑاہٹ پیدا ہوئی اور خوابوں میں ڈوبی ہوئی سربلند پہاڑیاں لرزنے لگیں۔ سرکاری ڈیم چیتھڑوں کی طرح بکھر کر رہ گیا اور دریائے کوکیلا کا دھارا بڑی تیزی کے ساتھ نشیب

میں بہنے لگا۔

نیلی آنکھوں والا وانچو، نیل کنٹھ کو اپنے ہمراہ لے کر درختوں کے گہرے اندھیرے میں تیز تیز قدموں سے چلنے لگا۔ مگر نیل کنٹھ ہر قدم پر لڑکھڑا جاتا۔ اس کے کندھے پر سے برابر خون بہہ رہا تھا جو گولی سے بری طرح زخمی ہو گیا تھا اور جب وہ جیپ کے پاس پہنچا تو اس کے پیر بالکل بے قابو ہو چکے تھے۔ وہ ڈگمگاتا ہوا بے جان ہو کر پچھلی سیٹ پر گر پڑا۔ اور جیپ اسٹارٹ ہو گئی۔ راستے بھر وہ کراہتا رہا اور اس کے زخم سے خون بہتا رہا۔ جیپ ہچکولے کھاتی تیزی سے گزرتی رہی اور جب وہ فیکٹری کے اندر پہنچی تو نیل کنٹھ پر بیہوشی کی سی کیفیت طاری تھی۔ اس کا آبنوسی جسم ہلدی کی طرح زردی مائل ہو گیا تھا۔ اور اسی لئے کوارٹر پر پہنچنے کی بجائے منیجنگ ڈائرکٹر کی کوٹھی پر ٹھہرا دیا۔

دریائے کوکیلا پر بنے ہوئے ڈیم کے اس طرح تباہ ہو جانے پر ترائی علاقہ میں بڑی سنسنی پھیل گئی اور سرکاری حلقوں میں ایک تہلکا مچ گیا کیونکہ اس "باندھ" کی تعمیر پر گورنمنٹ کا کئی کروڑ روپیہ خرچ ہوا تھا۔ تحقیقات کرنے کے لئے تمام سرکاری افسروں نے بڑی دوڑ دھوپ شروع کر دی ہے۔ ڈاک بنگلہ کی مرمت ہو رہی تھی۔ اس لئے فیکٹری کے "گیسٹ ہاؤس" میں سب لوگ ٹھہرے ہوئے ہیں اور بڑی سرگرمی کے ساتھ تفتیش ہو رہی ہے ہر مشتبہ آدمی کو حراست میں لے کر پولیس بری طرح "ٹارچر" کر رہی ہے اور انہیں دنوں اچانک ریونیو منسٹر کا داماد نرائن دلبھ فیکٹری میں آ گیا۔ وہ کمپنی کا سب سے اہم ڈائرکٹر ہے۔ رات کو منیجنگ ڈائرکٹر کے پرائیویٹ کمرے میں جب وہ

پہنچا تو ایک دم سے اس پر برس پڑا۔
"کنور صاحب یہ آپ نے سب کیا کر کے رکھ دیا ہے مجھے تو ایسا جان پڑتا ہے کہ یہ فیکٹری اب برباد ہو جانے والی ہے۔"
منیجنگ ڈائرکٹر پہلے ہی سرکاری افسروں کی آمد سے بوکھلایا ہوا تھا نرائن ولبھ کی باتوں پر اور بھی بدحواس ہو گیا۔ آہستہ سے بولا "بھئی میری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا ہے۔ میں تو یہاں سے بڑا عاجز آگیا ہوں۔"
مگر وہ کہتا ہی رہا "اب تو آپ ایسا کہہ رہے ہیں۔ مگر آپ کو کم سے کم یہ تو سوچنا چاہئے تھا کہ گورنمنٹ کا انٹیلی جنس ڈیپارٹمنٹ اتنا احمق تو نہیں کہ اتنی بڑی بات کو بھی نہیں سمجھ سکتا۔ ہوم سکریٹری کے پاس جو رپورٹ پہنچی ہے اس میں فیکٹری پر بھی شبہ ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ ادھر جو لیبر کی بالکل کمی پڑ گئی تھی۔ اور جس طرح یہ مشکل خود بخود کم ہو گئی ہے اس بات پر کون نہیں شبہ کر سکتا ہے۔ دراصل ہوا بھی ایسا ہی ہے۔ اس لئے کہ اب کمپنی کو قلیوں کی تلاش میں اپنے ایجنٹ گرد ولواح کی بستیوں میں نہیں بھیجنا پڑتے بلکہ اب تو فیکٹری کے بڑے پھاٹک کے سامنے آدمیوں کی بھیڑ لگی رہتی ہے۔ کمپنی کا لیبر آفیسر ہر روز سویرے صرف پچاس آدمیوں کو اندر بلاتا ہے اور وہ اس کے سامنے قطار بنا کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ وہ ہر ایک کا جسم ٹٹول کر گوشت کے مضبوط پٹھوں کا اندازہ لگاتا ہے اور جس آدمی کو وہ فٹ سمجھتا ہے اس کی چوڑی چکلی چھاتی پر کھریا سے سفید نشان بنا دیتا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اب اس کو فیکٹری میں کام مل گیا اور چودہ آنے روز مزدوری ملے گی۔ اس کا نام اور پتہ ٹائم کیپر کے رجسٹر میں

درج کر دیا جاتا ہے۔ پھاٹک کے باہر کھڑے ہوئے لوگ جانوروں کی طرح گردن اٹھا اٹھا کر یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور سہمے ہوئے لہجہ میں آہستہ آہستہ باتیں کرتے ہیں۔

منیجنگ ڈائرکٹر اور بھی گھبرا گیا۔ وہ بڑے شکست خوردہ لہجہ میں کہنے لگا "مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ سب کچھ ہو جائے گا۔ وانچو تو مجھ سے برابر یہی کہتا رہا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں، سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ اس طرح وانچو پر سارا الزام رکھ کر جیسے وہ کسی قدر مطمئن ہو گیا۔ اور اس کی بات کا اثر بھی ٹھیک ہی ہوا۔ یوں بھی کمپنی کا منیجنگ ڈائرکٹر ہونے کے علاوہ رانی بازار کے علاقہ کا جاگیردار بھی تھا۔ اس لئے نرائن ولبھ ایک دم وانچو پر بگڑنے لگا۔

"وہ تو میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ وانچو مجھ کو بڑا خطرناک آدمی معلوم پڑتا ہے۔ آپ اس کی سازشوں کو نہیں سمجھ سکتے۔ دیکھئے اب یہی سب سے بہتر طریقہ ہے کہ وانچو کو ابھی 'اشو ریہ' پر فیکٹری سے فوراً علیحدہ کر دیا جائے۔ ورنہ جب تک وہ وہ یہاں موجود ہے ہر وقت خطرہ سامنے ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں میں سب کچھ سنبھال لوں گا"۔

منیجنگ ڈائرکٹر گہری خاموشی میں کھو گیا۔ اس لئے کہ وہ کسی طرح یہ نہیں چاہتا تھا کہ وانچو اس کے خلاف ہو جائے۔ وہ اس کے ہر خطرناک راز کو جانتا تھا۔ اس طرح نوکری سے برطرف ہو جانے پر اس کے برگشتہ ہو جانے کا پورا خوف تھا۔ تھوڑی دیر تک اس طرح چپ رہنے کے بعد وہ کہنے لگا "میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس بات پر اگر وہ کمپنی کا مخالف ہو گیا تو سرکاری گواہ بن کر بہت بڑی

مصیبت بن سکتا ہے میرا خیال ہے کہ کسی اور طریقے سے اس کو یہاں سے ابھی ہٹا دیا جائے۔ بعد میں دیکھا جائے گا۔" اور یہ بات نرائن دلبھ ایم ایل اے کی سمجھ میں بھی آ گئی۔ اور پھر دونوں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے دیر تک کمرے کے اندر بیٹھے ہوئے باتیں کرتے رہے۔

اور جب نرائن دلبھ کمرے سے باہر چلا گیا تو کینز صاحب نے واینجو کو بلوا لیا اور ساری باتیں اس کو بتا دیں۔ پھر یہ طے ہوا کہ وہ نیپال کی راجدھانی کاٹھمنڈو چلا جائے۔ سرحد کو پار کرنے میں کوئی مشکل نہ ہوگی۔ اس لئے کہ رانا دلیر جنگ جو ریاست کے اہم رکن تھے وہ کینز صاحب کی نگاہوں میں اکثر ملک بھی چکے تھے اور دونوں کے آپس میں بڑے اچھے مراسم تھے اور جب تک وہ کاٹھمنڈو میں رہے گا اس کو برابر ایک ہزار روپیہ مہینہ مینجنگ ڈائرکٹر کی طرف سے ملتا رہے گا۔ پھر ایک روز فیکٹری کی کار میں بیٹھ کر وہ اسٹیشن کی طرف چل دیا۔ لیکن کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔ دفتر میں کام کرنے والے صرف اسی قدر جانتے ہیں کہ وہ کمپنی کے کسی ضروری کام کے سلسلے میں کلکتہ جا رہا ہے اور واینجو کار میں خاموش بیٹھا ہوا دور ہوتی ہوئی فیکٹری کی عمارت کو دیکھتا رہا جس کی تعمیر کے لئے اس نے خطرناک سازشیں کی تھیں۔ اور وہ فیکٹری اس کی آنکھوں سے دور ہوتی جا رہی تھی۔ اس کی گہری نیلی آنکھیں بڑی پراسرار معلوم ہوتی تھیں۔

سرکاری ڈیم کے تباہ ہو جانے سے کوکیلا ندی میں بڑا بھیانک طوفان

آگیا ہے۔ بپھری ہوئی لہریں ترائی کے میدانی علاقوں تک غضبناک انداز سے اُٹھنے والے عظیم کی طرح پھیلتی جارہی ہیں گیہوں کی لہلہاتی ہوئی فصلیں پانی کے بہاؤ میں بہہ گئی ہیں۔ ساری بستیاں ویران ہوتی جارہی ہیں اور تباہ حال کسان اپنے گھروں کو چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں۔ ویران ریلوے روڈ پر مریل انسانوں کے قافلے گزرا کرتے ہیں۔ اس لئے کہ سیلاب زدہ کسان کے لئے امیرگڑھ میں سرکار نے ریلیف کیمپ بنا دیا ہے۔ اس سلسلے میں گورنمنٹ پریس نوٹ شائع ہوا ہے۔ اس میں اعلان کیا گیا ہے کہ اس تباہی میں کمیونسٹوں کی دہشت پسندی کو دخل ہے جو اپنے سیاسی مفاد کے لئے ملک میں بے اطمینانی اور ہیجان پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسی لئے پولیس نے کسان سبھا کے دفتر پر چھاپہ مار کر کتنے ہی کسان ورکروں کو حراست میں لے لیا ہے۔

نیل کنٹھ کنور صاحب کی کوٹھی کے ایک مختصر سے کمرے میں لیٹا ہوا آہستہ آہستہ کراہ رہا ہے۔ اس کے کندھے پر سفید پٹیاں بندھی ہوئی ہیں اور اس کا مضبوط پٹھوں والا آبنوسی جسم چھپکلی کی طرح زردی مائل ہو گیا ہے۔ خون کے زیادہ بہہ جانے سے اس پر بار بار غشی کے دورے پڑتے ہیں۔ اور کنور صاحب نے کمپنی کی طرف سے کمشنر کے اعزاز میں اپنی خوبصورت کوٹھی پر ایک شاندار ڈنر کا انتظام کیا ہے۔ جس کا ہنگامہ رات گئے تک فیکٹری کے اندر گونجتا رہا۔